

اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے، چنانچہ پاپون کی آواز نرگد گرد کے کان تک پہنچی، اور اُس نے دریافت کیا کہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفر آئے ہیں۔ یہ سنکر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سفر کو طلب کیا، یہ لوگ عربی جتے پہنے کا ندھون پر بیسی چادرین ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے مفرکون نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھا دی تھی۔ نرگد گرد نے سیفرون کو اس شان سے دیکھا تو اسپر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ نرگد گرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟۔ انھوں نے کہا بُرد۔ اُس نے (فارسی مہنی کے لحاظ سے) کہا کہ ”جہان بُرد“ پھر کوڑوں کی عربی پوچھی۔ ”ال کوئن“ کہا ”سوط“ وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ ”پارس راسوختند“ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہو جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا، کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مستن جو سرگردوہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہہ کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں چیزِ دینیہ یا تلوار۔ نرگد گرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی، تم جب کبھی ہمیں سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے بنداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اٹھ کر کہا کہ ”یہ لوگ اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے، روسائے عرب ہیں اور علم و وقار کی وجہ سے زیادہ گویا“

نہیں کر سکتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں انگوٹھیں انگوٹھیں
 بیان کرتا ہوں یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کہتے مارتے تھے۔ اپنی زبانوں کو
 زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسبِ نسب میں ہم سے
 ممتاز تھا۔ اوّل اوّل بنے اسکی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا
 تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کہتا تھا خدا کے
 حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے کچھ حکم دیا کہ اس مذہب
 کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں برابر رہیں۔ جیسا کہ
 اسلام است۔ انکار ہو۔ وہ جو یہودی پر مبنی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جیسا کہ دونوں باتوں سے
 انکار ہو۔ اس کے لیے تو رہبرؐ بزرگوارؐ غشت سے قیام ہو گیا اور کہا کہ قرآنِ مقدس کا قتل
 جائز نہ تھا تو تم میں سے کوئی زندہ نہ بچ کر نہ باقیہ کہ نہ نبی کا ذکر منکوح کیا اور کہا تم میں سے
 معزز کون ہے؟ حکم بن عمرؓ نے بڑھ کر کہا "میں"۔ دونوں نے دیکر انکے سر پر ہلکیا۔ وہ گٹر
 گراتے ہوئے اللہ کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک۔ دشمن نے اپنی زمین خود چھو دی۔
 اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ پھر پوسلٹ فارس
 اسکی طرف سے اس قوم پر مامور تھا۔ اس بات میں شکریہ ادا کرتا تھا اور بزرگوں کی تائید پر بھی راضی
 ہو جاتا تھا۔ اس نے انہیں ان کا یہ ہموں تھا کہ اس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور
 اس کے لیے مویشی وغیرہ ہوتے تھے۔ اس عہد میں بعض بعض رئیس اوجھستہ و عسکرانہ
 زمین چوشتہ۔ دیکھی تھی جو سرحد کی اخبار نویس پر مامور تھا۔ اس حالت نے انھیں کھینچا تو

رعایا جو حق جو نیرد گردو کے پاس پہنچ کر فریاد ہی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں، چار ناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سا باط سے نکلا اور قادیسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گذری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیان کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدستیان کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے، ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلادیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن سا باط سے بڑھیں، سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ وہ رستم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ لشکر کی ترتیب۔ تارے کا رخ۔ ان باتوں کے دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے، اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلحہ ارات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے انگلی۔ اس عرصے میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا، اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اس نے قریب پہنچ کر برجھی کا وار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرے انھوں نے جھاک کر برجھی ماری کہ سیلنے کے پار ہو گیا۔ اس کے ساتھ دو اور سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مار گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دکھیتی کی دکھیتی رہ گئی۔ قیدی نے

سعد کے سامنے اگر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو ظالم کے ہاتھ سے مارے گئے میرے
ابن علم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام نہ لکھا گیا
اور مکی دہر سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو کسی طرح معلوم
نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانا بازی
کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ رستم سے بی چرانا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام
بھیجا کہ تمہارا کوئی اہل حق آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعد نے رضی بن عامر کو اس
خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے پہلے۔ عتیق گیر کی زربانی اور اسی کا
ایک کڑا مسر سے لپیٹ دیا۔ کرتین میں کچھ باندھا اور غوار کے سین پر پتھر دے پیٹ
دیے اس ہیئت کدانی سے لگورے پر سوار ہو کر نکلی۔ رستم اور یمنوں نے بڑے سرداران
سے دوبارہ سوار کیا اور فرس۔ زبیرین کا لڑتے۔ حریر کے پردے اور صدقین میں جمع تحت ارضی
فرس کے قریب آکر گھوڑے سے اترتے اور ہاگ دور کو گڈتیکے سے اٹکادیا۔

وہ بڑی بے پروائی کی اور اسے اگرچہ کچھ نہ ہونے کا ہمہ دستور کے موافق ہتیار رکھوا لیا
پاؤں۔ انھوں نے کہا میں بنایا ہوں کیا ہوں۔ تمہارے صلح میرا ناظر نہیں تو میں اٹا پھر جاتا
ہوں اور بایں نے رستم سے صلح کی جس نے ہارن وی یہ نہایت بے پروائی
کی اور اسے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن یہ بھی جس سے خدا کا کام لیا تھا اسکی
انی کو اسٹین فوش میں بھیج دیتے جاتے تھے کہ پانچ گشت فرس اور قیدیوں جو بچے ہوئے تھے۔ جا بجا سے

کٹ پھٹ کر بکرا ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا۔ جو فرش کو پار کر کے زمین میں گر گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا: ”اس لیے کہ بخاق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔“ رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار رجبی کے پاس آکر ان کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؛ لیکن جب رجبی نے تلوار میدان سے نکالی تو انھوں میں بجلی سی کو ننگی۔ اور جب اس کے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو رجبی نے انکے ٹکڑے اڑا دیے۔ رجبی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

آخر سفارت میں منیرہ گئے، اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج زر پہن کر سیون پر بیٹھے۔ خیمے میں دیبا و سجاد کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصفہ دار قرینے سے درویش پرے جاکر کھڑے ہوئے منیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چوہدار و بیچ باز و پیکر ان کو تخت سے اتار دیا۔ منیرہ نے افسرانہ دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا اس لیے ہمارے ساتھ یہ سلوک زیبانہ تھا۔ تمھاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں، مترجم نے جس کا نام عبود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

پھر اسے خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش میں لگا کہ ”کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا“ کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ ”خدا نے نہ چاہا تب بھی“

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ تین قائم کین۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہود جون اور عمار یون میں ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے پرے جائے۔ خبر رسائی کے لیے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا۔ جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا، سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیے فوج کے ساتھ شریک نہون سکے بلا خلع پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عوف کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا، تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے، یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پر چون پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے، اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بہ موقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فوج جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی شعرا میں شامح۔ حلیۃ۔ اوس بن مغیرہ۔ عبدة بن الطیب، عمرو معدی کرب۔ اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن المذیل الاسدی۔ بسر بن

ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربیع بن عامر میدان میں کھڑے تھیں کہیں
تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جاؤ کر رہا ہے۔ ان تفریروں کے بعض حصے یاد رکھنے
کے قابل ہیں۔

ابن المنذل سعدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معاشر سعد اجعلوا حصونکم للسیف خانہ سردنور و کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے قلعے میں شیر نہ کر
دکو نو علیہم کا سودا لا جم وادعوا للجماع جاؤ گرد کی زد پہن لو اور لڑکھائی نہ کی کرو جب تو این
و غصوا لایصاروا اذا کلت الشوفار سلوا تمک جائیں تو تیروں کی آگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو
الجنادل فانہ یؤن لہا فیمد لایؤن للحدید جہان بیل جاتا ہے تو تیروں کو نہیں مٹا۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سوا
جہاؤ کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس کی تاثیر سے بیل بے گئے۔ اور انھیں سرخ ہو گئیں۔

سویں قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر چڑنی شروع ہوئی جس سے
پہلے ایک بے قدر انداز دیبا کی قباذیب بن گئے۔ زمین کمر بند لگائے۔ ہاتھوں میں
سوں کے کسے پتہ میدان میں آہستہ عمر و سعدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے
اس۔ تاکہ ان میں جوڑا ورینا تک کر دیا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے
کو با زبانی چنگ کر بند میں ہاتھوں میں معلق اٹھا زمین پر دے چکا اور تلو رست گردن اڑا کر
فوج کی اس منی طبع ہوئے کہ تیروں زد کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہر شخص میدان میں نہ بھٹکتا
اسکے بعد ورا و رہا اور دونوں جانب سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ

شروع ہوئی، ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا، تھیون کو ریلا۔ عرب کے
 گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعہ بد کے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت
 قدمی سے لڑی لیکن تھیون کے ریلے میں انکے ہانوں بھی اکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ
 ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو، طلحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے
 ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھا کہ تم سے مدد مانگی ہے، تمام قبیلے نے جوش میں آکر
 باگین اٹھائیں اور ماتوں میں برچھیاں لیکر تھیون پر حملہ آور ہوئے، انکی پامردی سے اگرچہ یہ
 کالی آدمی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم
 کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کھلا بھیجا کہ تم سے تھیون کی کچھ تدبیر نہیں ہوتی
 یہ سن کر وہ دفعہ بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے
 اور عاریان الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حرلیت
 میدان سے ہٹے۔ قادیسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماش کہتے ہیں۔
 سعد جس وقت بالاخانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے، انکی بی بی سلمیٰ بھی انکے برابر
 بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب تھیون کو ریلا اور سلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بیتاب
 ہوئے جاتے تھے، اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس
 آج تیری نہ ہوا، سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "تمنی ہوتا تو کیا کر لیتا، سلمیٰ نے کہا سبحان اللہ
 بزدلی کے ساتھ غیرت بھی، یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔
 اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دفن

کرائین اور جس قدر زخمی تھے، مرہم مٹی کے لیے عورتوں کے حوائث کیے، پھر فوج کو بھندہ کی
 حکم دیا، لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا، اگرچہ پیش تو مہم ہو کہ ابھی
 نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ پہنچیں، حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں ان
 پر حملے کی تیاریاں کی تھیں، اسی زمانے میں ابو عبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر آیا، اور تھے، لکھ بھیجا تھا کہ عرف
 کی جو فوج دان بھیدی گئی تھی، اس کو حکم دو کہ سعدؓ کی فوج سے جا کر ملے، چنانچہ عین وقت پر
 یہ فوج پہنچی اور تائید ملی، سمجھی گئی۔ پھر ہزار سپاہی تھے جنہیں باپنہزار، بقیہ دوسرے فوجوں سے
 حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عقبہؓ کے بھائی، سپہ سالار تھے۔ درہر اول قنقعات، کاب
 میں تھا، قنقعات نے پہنچے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ یرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے
 کو آئے۔ اُدھر سے بہمنؓ کا قنقعات جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ کیا ابو عبیدہؓ کا قاتل بنے
 نہ پائے، دونوں حریت تلوار یک دیکر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رو دو بدل کے بعد بہمنؓ مارا
 گیا، دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں لگی کر شجاعت سے، پھر
 دیکھتے رہتے، بیت بن کاشنر وہ شہر بڑا، عور بن عقبہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرگ چہرہ والی
 جو ایک مشہور بہادر تھا، قنقعات سے رو کر قتل ہو، غرض جنگ کا مد نام ہونے سے پہلے یرانی
 فوج نے کٹر پنے نامور بہادر کو دیے، تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں تھکے اور بوئیں۔
 شام کی دوسری فوج کو قنقعات نے اس تبیر سے روک لیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے
 کو دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے
 ان کو روکتا تھا، اس طرح تمام دن فوجوں کا تباہی بنا، حارما اور یرانیوں پر غلبہ چھا تا گیا۔

ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور ققاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے ققاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر چھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا، یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے، دھک کر ہارون کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑا اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ: میرا المومنین نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ ققاع نے حال بن مالک۔ ریحل بن عمرو وطلحہ بن خویلد، عاصم بن عمر البہمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیذہ، یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ ریحل نے فخر کے جوش میں اکرب فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علمہ الاقدام انا احقهم اذا حصلوا بالمرهفات البواتر
سب لوگون کو معلوم ہو کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں ہاتھ میں
جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا، ابو محجن نے جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے۔ اور جنگوں میں
پہننے کے جرم پر سعد نے تید کر دیا تھا، قید خانے کے در پہ سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے،
اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی)
کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود اکربین بیڑیان
پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار

بے

کفی حزناً ان تردی الخبز بالقتل و اترك مشدوداً علی وثاقی

اس سے ٹھیکریں غور کرو کہ سواریز ہوا میں کڑھتیں اور زمین پر نجس بدن میں نہ ہوتا ہے۔

إذا كنت غنائى الحويدة وانعلقت
مصرىع من دوى قصبه لعماديا

جس کو ہونا چاہتے ہوں تو ان کے لئے ہوں

[illegible]

۱۱۳۱۔

یہ سب کچھ دیکھ کر وہ بے حد غصہ ہو گیا اور اس نے اپنے دوستوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے اور میں نے اسے سزا دینی چاہتی ہوں۔

کے بیوی بچے کیلئے یہ سیر دیکھنا چاہیے کہ چاروں طرف سے گھیرا ہو

کتابخانه جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

تھے۔ اوس میں تھے کہ وہ کہہ کر مجھ کو کہتے ہیں کہ وہ وہی حسین ہیں۔

ہوں تو جو مجھ نے قید خانے میں گزرا خود پیرین ہین لین اسکی سے یہ تمام حادثات سمجھ سکیاں

کے بعد اسی وقت انور کو یہ خبر پہنچی کہ ان کے والدین نے ان کی شادی کر دی ہے۔

میں نہیں دے سکتا۔ انجمن نے ایک ہی بین الاقوامی قسط پر بھی شرب کا پتہ نہ لگایا تھا۔

فصل: ہوتا ہے کہ شہر میں ہوتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ

[illegible]

ہر پیر میں ایک نیا روزہ ہے جس سے ہر شخص کو اپنی طبیعت کے مطابق روزہ رکھنے کی سہولت ملتی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

[illegible]

بھی ساتھ تھے، ایرانی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا
 لم تنب بکم البلاد ولم تفجکم السنة پیارے بیٹو تم اپنے ملک کو دو بھر نہ تھے نہ تیر قحط پڑا تھا
 ثم جئتم بامکم عجز کبیرة فوضعتموہا بین باوجود اسکے تم اپنی کین سال ان کو یہاں لائے اور فارس کے
 ایہی اہل فارس واللہ انکم لیسوا رجل احدکم آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ان کی اولاد ہو اس طرح
 انکم بنوا مہرۃ واحدا ما خنت بالکھ ولا ففتت ایک باپ کے بھی ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں
 خالکم انطلقوا فاشہدوا اول القتل اخرۃ کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اور اخیر تک لڑو۔
 بیٹوں نے ایک ساتھ باگین اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے
 تو خنسا نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا "خدا یا۔ میرے بیٹوں کو بچانا۔"
 اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست
 کا کچھ فیصلہ نہوا۔ یہ معرکہ اغواش کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العباس کے نام سے مشہور ہے، اس میں قنقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات
 کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دو ریشام کی طرف نکل جائیں۔
 پوچھے تو۔ سو اور میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور اور رسالے
 اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا
 اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جبکہ ابو عبیدہ نے
 شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ میز و جرود
 کو دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور

کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا بوضاحت کی طرف سے وعدہ ہوا ہے
 وہ تمہارے اہل سے پورا ہو گا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز دیون ہوا کہ ایرانیوں کی فوج
 سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اس کا ذیل ڈول دیکھ کر لوگ اسکے
 مقابلے سے جی چراتے تھے لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے اہل سے
 مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھانے کے لیے انہیں مقابلے کے دائیں بائیں پیدل فوجین کو مار کر دی تھیں
 عمر و سعدی کرب نے رفیقوں سے کہہ میں مقابلے کے باقی پر حملہ کرتا ہوں اتنے ساتھ رہنا ورنہ
 عمر و سعدی کرب مارا گیا تو پھر سعدی کرب پیدا نہ ہو گا یا یہ لکھ تو رہا تھا کہ میان سے گھسیٹ لی اور باقی
 پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجین جو دائیں بائیں تھیں ہفتہ اہل فوج پڑیں اور اس قدر گڑبڑ
 کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر کئی کرب کی فوج جمع ہو گئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن
 پیچھے ہٹے۔ عمر و سعدی کرب کی رائے تھا کہ وہ جسم نہایت بہا تھا۔ اہل پر باری بھائیوں کے
 زخم تھے۔ تاہم فوج قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر
 نکلا۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی اور اس نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگمگ
 بل نہ سکا۔ آخر سوار اتر کر جاگ نکلا۔ وہ یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعدی نے یہ دیکھ کر کہ تھی جس طرف رخ کرتے ہیں ان کا ذل چوٹ جاتا ہے۔ ضخیم
 سلم و غیرہ کو جو پاسی تھے اور سہاگن ہوتے تھے بد کر پوچھ کر اس بات سے یاد کیا کہ علی ہے
 انہوں نے کہا کہ کئی سو دن درمیان میں بیکار کیا جائے۔ ہم غول میں نہ تھے نہایت مہم
 اور کوہ پیکر اور گویا گل ہاتھوں کے سرور تھے۔ ایک ایسی اور دوسری جڑ کے نام سے مشہور تھا

سعد نے ققاع۔ عجم۔ حمال۔ ریل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہی۔ ققاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو زخمی کر لیں، پھر خود برجھا ہاتھ میں لیکر ریل سفید کی طرف بڑھے۔ عجم بھی ساتھ تھے، دونوں نے ایک ساتھ برجھے مارے کہ آنکھوں میں پرست ہو گئے ہاتھی جھجھکری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی ققاع کی تلوار پڑی اور نوڈ مسک سے الگ ہو گئی، اور دھر ریل و حمال نے اجر ب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادر دن کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ غروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی، چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں ایرانیوں نے فوج نئے سرے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ انکے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے، لیکن ایرانیوں نے جب تیرہ برس نے شروع کیے تو ققاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور ققاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہم اغفر لہ و نصرہ، یعنی اے خدا ققاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ ققاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی۔ نخع۔ بجیلہ۔ گندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاد رکھنا۔ اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار

آگئی۔ رستم کو دہرا کہ تیر کر نکل جائے، ساتھ ہی ہلال بھی کو دے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچروں کے پانوں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ ”رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا“ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت پہ سالار سے خالی تھا، تمام فوج میں بھاگڑج گئی۔ مسلمانوں نے دوتک تعاقب کیا۔ اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشنے بکردار عبد زیک سوی رستم زیک سوی سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت جوان مرد تازی بدو چیرہ گشت
ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سر سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے، میدان میں ثابت قدم رہے۔ ان میں سے شہریار، ابن البرد، فرخان، ہوازی، خسرو، شنوم، ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ہر فرزان، اہود، قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا، مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے، فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی

لے علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب، طلحہ بن خویلد، فرط بن جراح ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ ”میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔“

سیان تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقالت حتی انزل الله نصره وسعد بیاب القادسیة معصم

میں برابر لایا یہاں تک کہ انہوں نے اپنی مدد کی میں نے۔ قادیسیہ کے دربار سے پہلے جہنم

فابنا وقد امت نسائهم کشیں قادیسیہ کے دربار سے پہلے جہنم

جہنم و پس پھر سے تو یہ کہوں غریبین پر مدد کی تھیں میں نے۔ قادیسیہ کے دربار سے پہلے جہنم

یہ شاعر نے وقت پت پت کی زبان پر پڑا ہے۔ سیان تک کہ تھوڑے تو مہینے کو جمع کر کے

آہوں کے زخم دکھائے اور اپنی مدد دی ثابت کی۔

سعد نے حضرت کو کو مدد کی اور دونوں طرف کے مقتدر ہو گئے۔

عمر کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادیسیہ کا معاشرہ شریف ہوا تو ہر روز قادیسیہ کے دربار سے

منجی تے اور قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

تو ان کے ہونے کو چاہیے کہ یہ سب سے بہتر ہے۔ وہ قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

ہو کر ان کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

ہو گیا ہے کہ یہ سب سے بہتر ہے۔ وہ قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

تو ان کے ہونے کو چاہیے کہ یہ سب سے بہتر ہے۔ وہ قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

ہو کر ان کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

ہو گیا ہے کہ یہ سب سے بہتر ہے۔ وہ قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

تو ان کے ہونے کو چاہیے کہ یہ سب سے بہتر ہے۔ وہ قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

ہو کر ان کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے قادیسیہ کے دربار سے

جس کا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! میں با شہ نہیں ہوں۔ کہ تمکو غلام بنانا چاہوں، میں خود خدا کا غلام ہوں، البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کر دوں کہ تم چین سے گھروں میں سو دو تو میری سعادت ہو اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تمکو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے،" قادیسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے ان میں ایسے بھی رہتے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر اسے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانوں نے قادیسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لیے تھے۔ اور فیروزان کو سرشار قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لیے پہلے پہلے میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے۔ کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصیری سید راہ ہوا۔ اور میدان جنگ میں زخم اٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جب کانام بطام تھا، صلح کر لی اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کر دیا کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار بنجر جان، ہر فرز ان، مہران، مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن

کبھی زوال نہیں آسکتا، یہاں ایک شیر لپا ہوا تھا جو کسرے سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لیے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہر اول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہاں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر انکی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لیے۔ شہر زادے جو سادہ کارائیں تھیں سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے تمام دفترین رچ کر لیے اور چھوڑ دیا۔ اس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش خروش سے سب نے مرنے پر کمر بناندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک شہور افسر تھے اور معرکہ میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ انکی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں، لوگوں نے کہا کہ اس زہرہ کو بدل کرنی پھین لیجیے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کمان ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرہ آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آکر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انھوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہو اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر پر گریانی بھاگ چلے۔ اور شہر والوں نے صلح کا پھر براڑیا۔

بہر شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہر شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا ایرانیوں

ایوانِ کسرے میں تختِ شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی۔ ادویہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہو گا کہ سعد نے باوجود اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآبؐ کی صحبت میں رہے تھے۔ عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ زیوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر کجا کی جائیں کیانی سلسلے سے لیکر نو شیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں، خاقانِ چین راجہ داہر، قیصرِ روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوہین، کی زہین، اور تلواریں تھیں۔ کسری، ہرمز، اور کیتباد کے خنجر تھے۔ نو شیروان کا تاج زرنجہ را اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک ڈنڈی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور ہمارے پیش قیمت یاقوت پر دئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے پانوں تک جو اہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکلتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان میاں کے تھے۔ بیچ میں منبر کا چپن تھا۔ چاروں طرف جدولین تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگونے اور پھول اور پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زرد و جو اہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین زرد کا ہنرہ کھراج کی جدولین۔ سونے چاندی کے درخت حریر کے پتے جو اہرات کے پھل تھے۔ اسے علامہ طبری نے جوڑے محدث بھی تھے تصویر کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا، لیکن اہل فوج ایسے راستہ باز اور دانا تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی، ہنسنے لگا اور افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا، اور دور دور تک میدان بچکا اٹھا، تو خود سعد کو یہ بات ہوئی۔ وہ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان مہارت کو اتنے نہیں لکھا، اب شبہ نہ کہ یہ انتہا میں۔

اہل غنیمت سب قہر و تقسیم ہو کر پنجون ہشتاد ہزار فستین بھیج دیے۔ فزاش و رقدیم یادگارین کھینچ لائیں کہ اہل عرب و ایرانیوں کے چاد و ہلب و سواروں کی فوج و قبائل کا ہواشا و مہین حضرت عمرؓ کے ساتھ اب یہ سامان پہنچا۔ تو ان کو اتنی فوق کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

عمرؓ تمام زمین میں ایک شخص کو جو نہایت مہربان و مہارت والا نہایت غلامانہ طور پر لکھ دیا کہ تو شیراز کے مہوسات لے کر آ کر پہنچا، جہاں یہ مہوسات مختلف رنگ و بون کے ہوتے۔ سواروں کا، و بارہا جب جشن کا بد تہنیت ہو جا، چنانچہ ہر سیوری تمام مہوسات محکمہ پہنچانے کے بہت مہوسات اس وقت پہنچا، چنانچہ تاشیہات کی آگاہیوں خیر و ہولناکیوں اور ایک ایک بہت سے شہرستانوں کی ہولناکیوں کی۔ اس کی رائے مدد کیا جسے خود غنیمت کہہ دیا، تو یہی فضا تھا، لیکن حضرت علیؓ کے اسے بہت سے چار پرکاشی نوازان آتی اور انہیں شیرازی کے موقع کے پرزے آئے۔

یہ سب کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیہ حرکت تھی، لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہوا، وہ قدسؓ مابین زخارف نیوی کی عزت نہیں کھو جاتی تھی۔ و بناو سی یادگاروں

س کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء ۱۶ھ

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولا میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرداد نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گولہ باریک دیکھا دیتے۔ بعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عقبہ بارہ ہزار فوج لیکر اس مقام پر جائیں۔ اور مقدمہ الجیش پر قلعہ عیسینہ پر مسعر بن مالک۔ مسرہ پر عمرو بن مالک ساتھ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے ٹھکڑا حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح ہفتیوں سے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جہم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعۃً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے، لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے سچ گولہ باریک دیکھا دیتے۔ اور فوج کو سر و سامان

لے جلولا، بنو اہل کے سوا زمین ایک شہر جو بسبب چھوٹے ہوئے نقشے میں مندرج نہیں، بنو اسد سے خراسان جاتے وقت وہیں پڑا ہو

سپہ سالار سکلا از نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے۔ جن میں سے دمشق حصہ اردن فلسطین مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام طبریہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہی طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے جس کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پرانا نام سلا۔ اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے، یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل میران ہے۔ تاہم اس کے کچھ آثار اب بھی سمندر کی سطح سے چھتو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ میدان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں میان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس دُور سے کہ مسلمان دفعۃً آئیں۔ اس پاس جس قدر زمین تھیں سرکے ہند توڑ دیے اور فحل سے میان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے۔ اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر نہ کر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکروں پہنچے تو دیکھا کہ جنمے میں دیباہی زرین کافرش بچا ہے وہاں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھیے۔ معاذ کی ہرگی اور تقدس کا عام جہر چا تھا۔ اور عیسائی تک اس سے واقف تھے اس لیے وہ واقعی اُن کی عزت کرنی چاہتے تھے۔ اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گذرتا تھا۔

سناؤ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر طیار ہوا ہے جیسا نہیں چاہتا۔ یہ لکڑی زمین
 پر بیٹھ گئے۔ جیسا یوں نے انہیں کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود
 اپنی عزت کا خیال نہیں تو بدوری ہے۔ معاؤ کو غصہ آیا۔ گھنٹوں کے بل کمرے ہو گئے۔ اور
 کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو چھکوا لکی پروا نہیں اگر زمین پر چھینا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے
 بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے۔ رومی نے کہا کہ بے پروائی اور زور و سی پر حیرت زدہ تھے یہ لٹک
 کر ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑا کویت ہے نہ تو نے کہا "معاؤ اللہ ہی
 بہت بہت کہ میں سب سے بدتر غلام رومی چپ ہو گئے۔ معاؤ نے کہا کہ چو دیں غلام کر کے ستر تو
 سے کہا کہ "ابن سے کہہ دو کہ اگر تم کو بدست چکے گا نہیں ست تو میں واپس جاتا ہوں۔" رومیوں
 نے کہا "بھگویہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے۔" بنی یمنیہ کا ملک تم سے قریب
 ہے۔ تو اس کا بادشاہ و سچا ہے اور سنت ایک عورت کے ذات بن ہے۔ ان کو چھوڑ کر
 تم نے حمیری طرف کیوں رخ کیا؟ بادشاہ کہہ دو بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اتحاد میں
 ہم آسمان کے ستاروں وزیرین کے ذروں سے برہمن "معاؤ نے کہا "سب سے پہلے
 ہماری درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبیلہ کی ریت نماز پڑھو اور شراب پینا چھوڑ دو
 لبتہ کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا سے جانی ہیں اگر نہ ہو۔ نہ منظر نہیں تو حرم
 دوسریں سے بھی نکال دیتے تو رہتے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قتل اور
 کشت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ جو غلام غلامیت غلامت نکش میری
 تم کو سپر ہوتے کہ تم نے شمشاد کی یہ بیوی کو تمہاری جان و مال کا نفعیہ ہے لیکن تم

جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا
 کرے تو اس کو دُور سے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو مات کاٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردے
 میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اسکو ہم پر کوئی ترجیح نہیں
 رویوں نے کہا: ”اچھا ہم تمکو بقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے
 دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ“ معاویہ نے انکار کیا اور اٹھ کھڑے آئے۔ رویوں نے
 براہ راست ابوعبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔ چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس
 وقت وہ پہنچا۔ ابوعبیدہ زمین پر بیٹھ ہوئے تھے۔ اور ماتھ میں تیر تھے جنکو الٹ پٹ کر رہے
 تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و شہم رکھتا ہوگا اور یہی اسکی شناخت کا ذریعہ
 ہوگا لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر
 گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران
 رہ گیا۔ اور تعجب سے انکی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا: کیا وحیقت تم ہی سردار ہو؟ ابوعبیدہ
 نے کہا: ”ہاں“ قاصد نے کہا: ”ہم تمہاری فوج کوئی کس دُور و اشرافیاں دین گے تم یہاں سے
 چلے جاؤ“ ابوعبیدہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابوعبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر
 فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے جواب
 مناسب لکھا اور حوصلہ دیا کہ ”ثابت قدم رہو خدا تمہارا یار اور مددگار ہے“
 ابوعبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے اگلے
 دن فوج الشام اندی میں جو کہ یہ خط ایک شامی لیکر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

کی ماتحتی میں دیے گئے، فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا۔ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصی یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو۔ کیونکہ بالصبر فان اللہ مع الصابرین۔ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔"

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنگی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میں دو میسرہ پر سواروں کے رسالے نیچے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے نفاذ ہوا مگر بجائے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہر اول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ روئی قدر اندازوں نے تیر دن کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد ادھر سے پہلو دیکر مینہ کی طرف بھٹکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے۔ قدر انداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ مینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے، یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دو ٹکڑا آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر فیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا "خدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچانے کا ر دون گا۔ پھر کرناؤں گا۔" یہ لکھ لکھوٹے سے کود پڑے۔ اور بات میں سرے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ گذر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی، کابل گھٹہ بھڑائی ہی اور

تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر دیہوں کے پانوں اٹھ گئے۔ در نہایت بدحواسی سے
 بھاگے، ابو عبیدہ نے حضرت کو اٹھانے فتح لکھا اور پوچھا کہ منقو حین کے ساتھ کیا مسوک کیا جلتے
 حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا اذمتی قرار دی جائے۔ اور زمین بدستور زمینداروں
 کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس موقع کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے
 اور ہر جگہ شریک ضلع میں یہ لکھ دیا گیا کہ منقو حین کی زبان ۱۰۱۰ زمین مکانات۔ گرجے عبادت گاہیں
 سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لیے کسی قدر زمین سے لی جائے گی۔

مختصر سیرت جبری

شام کے خلدعین سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے انحریزی میں اسکو ایسا
 کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں یہی شہر زیادہ سے وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر
 ایک بڑا مندر تھا جس کے تیرتھ کے لیے دو دروازے تھے اور اس کا پجاری
 ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے شہر ہو گئے
 تھے جنکا منقو حین ہوا شام کا منقو حین ہوا تھا۔ بیت المقدس جس اور ان کی یہاں خود ہر قبل تقسیم تھا
 انھیں بن و زمین کی نسبت زیادہ قریب و جمیعت سامانین دونوں کے تھا۔ پہلے لشکر اسلام
 نے واقعہ فعل کی تفصیل فتح شام اردن سے لی گئی جو یہی وہی وہی منقو حین کے ساتھ بیان کیا جا
 رہا تھا کہ کیفیت تین بھی مختلف ہے۔

نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں جلیبک پڑتا تھا۔ وہ خفیت سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔
حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے
نکل کر جو سیہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی۔ لیکن خالد کے پہلے ہی حملے میں ان کے
پانوں اکھڑ گئے۔ خالد نے بسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ
میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادمر ادمر پھیلی ہوئی تھیں مٹ بیٹھ ہوئی اور
مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شہزادہ حمری نے اکیلے سات سو اوروں کو قتل کیا اور فوج سے
الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالہ نے انکو
تہنا دیکھا کہ حملہ کیا۔ انھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ
شخص ان کے مات سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے۔ اور ایک گرجا میں جو دیر محل کے نام سے
مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی یہ چاروں طرف
سے گھیر گئے۔ اور ڈھیلوں اور تھردن کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے
بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا۔ اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیے۔ چونکہ نہایت
شدت کی سردی تھی، رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ ٹھیکیں گے۔
اس کے ساتھ ہر قل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق
جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی
مہم پر مامور تھے، یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا۔ اور آگے

بڑھنے لگا۔ حص والوں نے ہر طرف سے یارس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے
 عباد بن صامت کو دان چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ حماۃ والوں نے اپنے
 پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ دان سے روانہ ہو کر شیرازہ
 شیرازہ سے معرفۃ النعمان پہنچے، اور ان مقامات کے لوگوں نے خود احاطت قبول
 کر لی۔ ان سے فائدہ ہو کر لاذیقہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ شیشین عہد میں اسکو انشا
 کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر تمام کیا۔ اور اس کی مضبوطی اور اتواری
 دیکھ کر ایک نئی تدبیر خست یار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوانے یہ غار اس تدبیر اور
 احتیاط سے طیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ملے پالی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور
 مین سر و چھوڑ کر حص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جہالت کی تہذیب ہی سے تنگ آ گئے
 تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا اس کو تانیہ بھی خیال کیا۔ شہر بپا کا۔ اور وہ کھول کر
 کا۔ وہاں میں ضرورت ہوئے۔ لیکن ہی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے
 صبح کے وقت کہیں کھابوں سے غلج کر دھتکہ چلا گیا۔ اور اسی روز میں شہر شمع ہو گیا۔ حص
 کی فتح کے بعد ابوسب کے خاص ہر قیل کے پاسے تخت کا۔ دو کپہ فوجین اس
 مات بھیج بھی دیں لیکن وہ بدخلافت سے حکم پہنچا کہ اس سے اس کے رہنے کا۔ اور
 دیکھا ہائے پناہ نہ اس۔ شہاد کے موافق فوجین واپس بلانی گیا۔ اور جسے بڑے شہر ٹھین
 افسر و نائب بھیج دیئے گئے کہ وہ ان کی طرح کی جہی ہوئے ہائے انکا کیا فوج کیسے تھ
 نے کام بن لیا۔ اور ایک قدیم شہر حص و قلعہ میں کے دین میں واقع تھے۔ قریب صدی صفر اس

دشمن کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص میں قیامت کی۔

ببرموک - ۵۷ ج ۲۶

رومی شوکت کھا کھا کر دشمن و حمص وغیرہ سے نکلے تھے، انطاکیہ پہنچے، ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں جمیعت میں، سر و سامان میں کم ہیں۔ پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے۔ اس پر سب نے مذمت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڑھے نے عرض کی کہ زب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں کسی ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہی، ہمارا یہ حال ہو کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرا کی پابندی نہیں کرتے۔ اور دن پر ظلم کرتے ہیں، اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔ اور ہمارا جو کام ہوتا ہی ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہی۔ قیصر و حقیقت شام سے بیکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی، اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا زور جو بکے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ۔ حمیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں، تمام اضلاع کے افسردن کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہان سے میا ہو سکیں، روانہ کیے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمند آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہان تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ڈھیل لپٹا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے بدلہ انصاف کے اس قدر گردیدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی نہر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انھوں نے تمام فیسروں کو جمع کیا، اور کھڑے ہو کر ایک پرثر تقریر کی جس کا خلا یہ تھا کہ مسل لڑا خدا نے تم کو باہر چاہی اور تم اس کی جہنم میں پرے اترے چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو محفوظ و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس سرورسا مان سے تمہارے مقابلہ کے لیے چلا جو کہ زمین کا سپ بھی ہے، اب بتاؤ کیا صلاح ہو؟ زید بن ابی سفیان اس معاملہ کے بھائی اکھڑے ہوئے اور کہا کہ تیرسی راستے کے غورقون و دہچون کو شہر میں بہت دین اور ہر خوشہ کے باہر لشکر رکھو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دہچون و غورقون کو خط لکھ جائے کہ تمہاری ذمہ داری سے چکر مر دو؟ امینؓ نے ان کے پاس سے کہہ دیا کہ اس موقع پر ہر شخص کو سزا دہرے دینی پابستہ۔ زید نے ہر سے دین بہت زیادہ ہی سے دی جو کہ زمین میں اس کا بڑا بھائی ہے۔ شہر واسے تمام عیسائی بن یمن جو کہ وہ تعصب سے ہوئے بن دعیال کو کپڑا کر قبیہ کے حوالے کر دین یا خود مار دو؟ امینؓ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ تمہاری رائے ہے کہ ہم یہ مایوں کو شہر سے نکالیں دین شہر بل نے انھیں کہا کہ یہ ایک حکم کر دین جس میں ہم نے دین مایوں کو جس شہر پر امن و راست کہ وہ شہر امن میں امن سے رہیں۔ اس سے یہ فتنہ ختم ہو کر ہو سکتا ہو؟ حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟

عام حاضرین نے راستہ دی کہ تمہیں میں تمہارے مادی فوج کا انتظام کیا جائے۔ ابو عبیدہؓ نے

کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ راسے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہی ہے، ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم اُن کو اُن کے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لیے جو کچھ اُن سے وصول ہوا ہے سب اُن کو واپس دے دو۔ اور اُن سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے، لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی، کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو واپس لائے" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا تو راۃ کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ لکھن شہر بیاہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

لے ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳) میں قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳) میں تفصیل لکھا ہے جو میں نے تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی کے لیے دیے ہیں۔ لیکن ابو عبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمان روپیوں کے ڈر سے جس سے چلتے تھے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب انکو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس درجے پر متفق کیا ہوگا۔ ابو عبیدہؓ کو جو اب تک کہ نہیں دیا
 کے یہ سعید بن تمام کو بھیجا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہوتی۔ ابو عبیدہؓ
 ہشتم ہجری تمام افسران کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ سعید بن بنی سہیل بن حنیس
 مدون بن ہبل سب نے مختلف رائے دیں۔ یہی شمار میں عمر بن عباسؓ کا قصہ یاد کر رہا ہوں
 جس کا یہ سنہوں تھا کہ اردن کے اضلاع میں مام بغاوت پھیل چکی تھی۔ روپیوں کی آمد اور
 فتنہ فساد کی بات۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ نہایت بے چارے ہوئے۔ ابو عبیدہؓ
 نے ستر ہزار روپیوں کو جمع کیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔
 انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔

انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔

انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔
 انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔
 انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔
 انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔
 انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔ انھوں نے جو چاہا کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بکروہرے اہل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہو کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے۔ راہب اور خانقاہ نشین جھپون نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالتا۔ نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا۔ تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہیکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نشانہ ہو جائیں" خدا انھیں استغاثہ کا بال بریک ہوا تو پھر جنابے سودے "مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا" ایمان تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ "امیر المومنین! تو خود سپہ سالار ہیں" اور ہیکو ساتھ لے کر چلے "لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور ادا سی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یزیدؓ سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ رہے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر وہ پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہؓ کے نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط لکھو اور زبانی کہنا کہ لا عمر یقویک السلام و یقول لکم یا اہل الاسلام اصدقوا بقرآنہ و شدوا علیہم شذر شیبوت۔ ولتکونوا اھون علیکم من الذر فانما لدکم نعمت انکم علیہم منصورون۔

یہ عجیب سن اتفاق ہو کہ جس دن قاصد ابو عبیدہؓ کے پاس آیا۔ اُسی دن عامر بھی ہزار ہوں کے ساتھ پہنچ گئے مسلمانوں کو نہایت تعویث ہوئی۔ اور انہوں نے نہایت تسکین

کے ساتھ لڑائی کی طیاریاں شروع کیں۔ وہی فوجیں یروشلم کے مقابل دیرالجلین میں اتریں۔ خالد بن
لڑائی کی طیاریاں شروع کیں۔ معاویہ بن ہشام جو جرستہ قبیلہ کے صحابی تھے۔ مسند پر مستر کیا۔
قباش بن اشیم کو مسیرہ اور ہاشم بن جہد کو پیدل فوج کی فہری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے
چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پتیس بن ہبیرہ، مسرہ بن مسروق، عمرو بن
الطیفل کو مقرر کیا۔ یہ قیون ہما ورتا موعبت میں انتخاب تھے۔ اور بن وہب سے فوجیں العرب
کھلاتے تھے۔ رومی بھی بہت مسرہ وسان سے لکھے۔ دونوں کے زیادہ کی بیعت تھی اور ۲۴
صفین تھیں۔ بن کے گے آگ ان کے مذہبی پیشوا تینوں میں سے جوش دیتے
جاتے تھے۔ نوہین ہلکے تھے بلکہ تین تو ایک بطریق صفت پیر کو لگا دیا کہ میں تمہارا چاہتا ہوں
مسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا۔ گھوڑا بڑھ کر حریف نہایت تھوڑا۔ اور بن تھا۔ خالد نے روکا اور
قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھ کر وہ اسے دھڑکتے ہوئے۔

سب سے پہلے نہ تھی فیہ جھگڑا تھا۔
ست یوسف لایب من بعد ابھی
پارویشین حرات سے پہلے
کیا میں لڑائی کے دن باور کچھ دہنیں کرتا
قیس نے جھگڑت کر پیٹے کہ جوق تھکا ہوا نہیں بنیں پہلے تاکہ ان کا وارچس گیا
گھوڑا بڑھائی۔ نوہین کا تھی مرنے لڑائی تک لڑائی بعد یقین وکھ کر مرنے سے گرا سا تھا
سب لڑائی کے تھکے ہوئے۔ خالد نے ہاشم بن جہد کو روکا۔ سب نے چاہا تو اسے فتح ہے
عیسائیوں نے خالد سے ہم کا ہار نہ ہونے کے بعد بدین جواب فوجیں معیت کی قیاس لیکن
سب نے شکست کھائی۔ اس دن میں تک نہ پتہ پانچ لڑائی مہرہ ہو گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا
 مزہ پڑ چکا۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس
 رائے سے اتفاق کیا، دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی مغز افسر کو ہمارے پاس
 بھیج دو، ہم اُس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں، ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو
 پیغام لے کر آیا اُس کا نام جارج تھا، جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب
 کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے، اور جس محویت سکون
 و وقار ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی، قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے
 دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے، جن میں
 ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسےٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں
 پڑھیں۔ یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما
 المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و کلمۃ القاہا الی مریم۔ کن یتنکف المسیح
 ان یشکون عبد اللہ ولا الملائکۃ المقربون، مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ
 کیا۔ تو جارج بے اختیار پکارا اٹھا کہ بے شک عیسےٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا
 پیغمبر سچا ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا
 بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان
 نہ ہو، مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اُس کے ساتھ چلے آنا۔
 دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے

کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دو ترک سوار دن کی
 صیفین قائم کی تھیں جو سرست پہ نون تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر
 کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر کیوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ بالآخر
 کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا اور لا کر اپنے برابر
 بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد کچھ کے
 طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیسہ کا نام لیا اور فرمایا کہ ہمارا
 بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے، مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر سکا تھا کہ خالد نے
 باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا لیکن جسے جس کو سردار بنا رکھا ہے
 اس کو ایک محلہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہر فوراً اس کو معذوں کر دین۔ باہان نے
 پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فربان کر کے کہا کہ "اہل عرب! تمہاری قوم کے
 جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کیے اور
 نیکیاں کیاں۔ مہمات کا تمام عذاب ممنون ہو گا لیکن خدمت توقع تمہارے ملک پر چڑھ
 آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو جو اسے ملک سے نکال دو، مگر معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے
 بار بار ایسا کیا ہے کیونکہ یہی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ
 کوئی قوم باہل و جشی۔ بنے ہو، وہاں نہیں یہ جو صندھ ہوا ہے، ہم سپر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ
 اگر تم بیان سے چلے جاؤ تو نفع ہم کے ہو، پر پہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار
 اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیتے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعمت کے بعد کہا کہ ”بے شہہ تم دو لہند ہو، مالدار
 ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہی لیکن یہ
 تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ شاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جبکہ یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج
 خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج،
 تنگ دست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیش ڈالتا تھا،
 قبائل آپس میں لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنائے رکھے تھے، اور انکو پوجتے تھے،
 اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے، لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک
 پیغمبر بھیجا، جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف۔ زیادہ فیاض۔ زیادہ
 پاک و ختم تھا۔ اُس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد
 نہیں رکھتا، وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے
 سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے، اور ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا
 لیکن جبریمہ دینا قبول کرتا ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جس کو دونوں سے انکار
 ہوا اُس کے لئے تلوار ہے۔“

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے
 کہا کہ ”یہ مگر بھی جزیہ ندین گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔“ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور
 خالد اٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی
 سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے

سنا اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو ان کی غلامی منظور ہے؟ تمام انسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سردمان سے نکلے کہ سلاوین کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خدوئے حیرت و فوج کشی کی فوج جو ۳۰ ۵۰ ہزار تھی اس کے ۲۶ حصے کئے۔ درگے پیچھے نہایت قریب کے ساتھ سی قدر حسین قاتلین۔ قطب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ یمن پر عمرو بن لعل و شمس بن مویز بولے۔ یسہرہ بن یزید بن ابی سفیان کی گمان میں تھا ان کے ساتھ دو ہزار سپاہی تھے جو فرستہ تھے کہ ان لوگوں کو یہی جو بہادری ان فوجوں جنگ میں شہرت حاصل کرتے تھے خطبہ جو پڑھ کر ان سے لوگوں میں تل چل و دھڑکتے تھے اس خدمت پر مویز بولے کہ پر جوش تمہاری فوج کو بڑا دشمن بنیں میں ابوسفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔ اللہم زدنا و زدنا العرب و انصار الاسلام۔ و فیضم زادة الروم و انصار شرک۔ اللہم انکس هذا یوم من ايامکم۔

ایضا ان اس غصوا ابصارکم و اشروع الہم۔ و ان یمن یمنی۔ مویز بچیان بن واپسی جگہ پر و الزموا مراکز کوفہ داخل غزوہ کوفہ فامیتو۔ مویز بچیان دشمن امیر و یمن توڑے وہ۔ ہم حتیٰ ذاکر کعب اطراف کاشفہ فبشوا۔ یمن تک سب پر بچیان کی نوک پر یمن و یمن فی وجوہہم و ثوب الکاسد۔ کاشف ان پر لوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عربین انتخاب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جھون نے رسول اللہ کا جہاں مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے، سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمراہ رہے تھے عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازہ کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی، ہمدان۔ خولان۔ تخم۔ جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہو کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں عضد والغطفان بسید فکم، امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ انفال رحیمین جہاد کی ترغیب ہے تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پانچ سو بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بہنے کا خیال تک نہ آئے، جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ڈبڈبی دل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور شپ، تون مین صلیب لیے آگے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سرو سامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر کس قدر بے اتہا فوج ہے، خالد نے بھلا کر کہا چپ رہ، خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سٹم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالین۔“

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا ٹیٹھ برساتے پڑے۔

مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا سینہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ کا ایک آگے بڑھ کر یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ اور خیمہ کی چوبیس اٹکی زمین اور پچاسین گز دور دور سے تو چوبیس سے تیس راہروں تک گئے۔ خود یہ شہر چھ گز دور گون کو غارت دہاتی تھیں۔

یا ہمارے اے منہ پر تو کھیت نہ لے لیتے ہاں سحر و امینیاست

یہ حالت دیکھ کر مدد دہن جبل جو سینہ کے ایک حصے سے پردہ لہرتے ٹھوڑے سے گویا رستہ اور کہا کہ میں تو پیدل ہوں لیکن کوئی بہادر کس گھوڑے کا حق دار ہے تو گھوڑا حاضر ہے۔ لے بیٹے نے کہا۔ ان میں حق میں وہ گروہن کا کیونکر میں سو بہادر کس گھوڑے کا حق دار ہوں تو ان سے بیٹے فوج میں گئے۔ دربار دیکھ ہی سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے گیسے ہونے پاؤں پر منہل گئے۔ یہ تو جی جی جو قبیلہ ازبیک کے سردار تھے۔ پانچ سو آدمی بھرتی ہوئے۔ یہ یوں کا جیسا فوج کا غیہ قرب کرتے تھے۔ کہ گروہن کا یہ سینہ میں قبیلہ ازبیک کے سردار تھے۔ ثابت قدم رہا تھا۔ یہ یوں نے دہائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی شان سے بہت جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج تین ہفت روزہ ہلاکت برداشت کر کر کے گزرتے تھے لیکن ان کے پانی نہ تھا کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمر بن الخطاب جو قبیلہ کے سردار تھے۔ وہ رستہ جانتے تھے اور نہایت جانتے تھے کہ زبیر دیکھنا مسلمانوں پر تھامی وجہ سے دشمن آئے۔ نو بڑے بڑے ہندوان کے رستہ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خاندان نے اپنی فوج کو قہقہے لگا رکھا تھا۔ دفعہ شہادت پر گر گئے۔ دربار سے حملہ

کیا کہ رومیوں کی صفین ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو اہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا ”عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پانچویں پیچھے پڑ سکتا ہے؟“ یہ کافر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون سعیت کرتا ہے؟ چار شخصوں نے جن میں ضرار بن ازد بھی تھے مرنے پر سعیت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا، خالد نے اپنے زانو پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی پٹکا کر کہا ”خدا کی قسم عمرہ کا گنا غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مرنے گئے۔“

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی کو خود ہلاک ہو گئے، لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی مرید کر دیے۔ خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر انکو پیچھے پھینا پڑا۔ اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار (درنبار) تک پہنچ گئے۔ درنبار اور رومی افسروں نے انکوں پر رد مال ڈال لیے کہ ”اگر یہ آنکھیں منہ کی صورت نہ دیکھیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔“ عین اُس وقت جب اوصہر سپہ سالار باذانہ قتال گرم تھا، ان قناطر نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بد قسمتی سے اس حصے میں اکثر لحم و عثمان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے، ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پانوں اکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے اسے تباہی طبری واقعہ پر موکے رومیوں کے یمنہ کا سپہ سالار تھا۔

بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا، رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے غنیمتوں تک
 پہنچ گئے، عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور انکی پامروی نے یونانیوں کو آگے بڑھنے
 سے روک دیا، فوج اگرچہ اتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم، یسید بن زید، یزید
 بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شہبیل بن حسنہ وادبجاعت دسے رہت تھے۔ قباث کے ہاتھ
 سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر پڑتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر ہل نہ سکتے تھے، نیزہ ٹوٹ کر
 گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اتوار کیا ہے کہ میدان
 جنگ سے ہٹ گا تو مر کر رہے گا۔ لوگ فوراً تلواریں نیزہ ان کے ہاتھ میں ڈکرو دیتے اور پھر وہ
 شیر کی طرح چھٹ کر دشمن پر چڑھ پڑتے، ابوالخوار کھنڈ سے سے کو پڑتے اور اپنے رکاب کی فوج سے
 مختاب ہو کر کہتا کہ "صبر و یقین، دنیا میں عزت ہے اور عقبہ میں جنت" دیکھنا یہ دولت ہاتھ
 سے نہ جانے پائے، یسید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کہتے تھے: "رومی انکی طرف بڑے دشمن
 کی طرح جھپٹے، اور غمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معدیہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی
 سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے ان کے باب ابوسفیان جو فوج کو جوش و لات پہنچاتے تھے، ان کی
 طرف آئے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا "جان پر ہمارے وقت میدان میں ایک ایک باہی شجاعت کے
 جوہر دکھ رہا ہے۔ تو سپہ سالار رہتے ہو، پیہون کی پناہت تجھے شجاعت کا نیا دھن تو دیتی رہی
 فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تیرے بڑی سے گیا تو تیرے لیے شرم
 کی جگہ ہے" شہبیل کا یہ سن کر کہ یونان کا پارون طرف سے نرہ تھا اور بیچ میں چار
 کی صرح ڈٹ کر رہے تھے، تو ان کی یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ اشَدُّ بِمَنْ مُّؤْمِنٍ اَنْفُسُهُمْ وَا

اَمْوَالَهُمْ بِانْ لَّهُمْ اُجْرَةٌ يُفَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَفْقَهُونَ وَيُقَاتِلُونَ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ ”خدا کے ساتھ سو اور کرتے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟“ یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑیاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھرنجھل گئی اور شہزادوں نے انکو کیرس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔
 اور عورتیں غیور سے نکل کر فوج کی پشت پر اکھڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کستی تھیں کہ میدان کا قدم ہٹایا تو پھر ”ہمارا منہ نہ دیکھنا“

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے، بلکہ غلبہ کا پتہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفتہ قیس بن ہبیرہ جنگہ خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گئے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج پھرنجھل نہ سکی۔ تمام صفیں اتر ہو گئیں، اور گھمراہ چھپے ہوئے، ساتھ ہی سید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دوزنک ہٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جانا نہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی جاش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے۔ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے انکے پانون پر تلوار ماری اور ایک پانون کٹ کر الگ ہو گیا۔ جاش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو دھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پانون کیا ہوا؟ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر عیشہ فخر کرتے تھے، چنانچہ سوار بن اونی ایک شاعر نے کہا۔

قسرن کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے
 بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے
 سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے
 جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان
 شہر اٹل صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور ان کی جان۔ مال۔ شہر نیاہ۔ مکانات،
 قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے، چونکہ یہ قیصر کا خاص
 دار السلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ
 نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر
 مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی
 سی جمعیت کے ساتھ جس طرف بھل جاتا تھا، عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے
 چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سمرین
 توزمی۔ قورس۔ تل غراز۔ دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی
 سے فتح ہوئے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا، اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے
 دہلین فتح ہو گئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ
 دین گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، انکی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی
 تھی، یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان۔ بنو خ۔ یاد۔ رومیون کے ساتھ ہر قل کے پاس

جانے کی طیاریاں کر رہے تھے جلیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور ہزاروں کو قتل ہوئے۔ خالد نے مرثیہ پر حملہ کیا اور اس شہر پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس - ۱۶

حم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جب شام پر چڑھائی کی تو ہمہ جہود پر لگ الگ فہرہ بھیجے۔ چنانچہ قلیطن، عمرو بن العاص کے ہتھ میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں فتح کر لیے تھے اور فاروقی عہد تک تو انہیں لے کر آئے۔ اس بیت حرمین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو قلیطن چھوڑ کر بوجیدہ آتے جاتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ عیسائی فرار ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کو منہ نہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر رہتے رہے۔ اس وقت حضرت بوجیدہؓ اس امر کے انتہائی اندویش تھے کہ وہ غیور فتح کر چکے تھے چنانچہ ان کو مدد سے فرصت پا کر بیت المقدس کو فتح کیا۔ یہاں سے یوں سہولت سے اس صبح کی دروغیہ کی اور فریادیں اٹھانے لگیں کہ غیور خود میں کہیں نہ آئے۔ اس موقع ان کے ہاتھوں سے مکہ جاتے، ابو جہیدہؓ نے اس وقت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام عزیز معزز کو جمع کیا اور مشورہ کی۔

لے دستور البلدان صفحہ ۱۵۲

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ”عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں، آپ انکی درخواست کو رد کر دین تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان انکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں، بغیر کسی شرط کے ہتیار ڈال دین گے۔“ لیکن حضرت علیؓ نے اس کے خلاف اسے دی۔ حضرت عمرؓ نے ان ہی کی اسے کو پسند کیا۔ اور سفر کی طیاریاں کیں، حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کو سپرد کیے اور رجب ۳۱ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر، اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و ذنوب، خدم و حشم، لاوشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے تاہم جہان یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں اگر ان سے ملین۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے ہمیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پر تکلف قبا میں تھیں، اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے، اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

اسے یہ بڑی کی روایت ہے۔ یسوی نے حضرت علیؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کا نام لیا ہے۔ یعقوبی صفحہ ۱۶۷۔

لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو ایل کرنے لگا۔ فرمایا کجست یہ غور کی چال تو نے کہاں سیکھی، یہ کبکرتیڑھے اور پیادہ پاہلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سردارانِ فوج استقبال کو آئے، حضرت عمرؓ کا لباس اور سردارانِ جس معمولی حیثیت کا تھا، اُس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”کہ خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے“ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجدِ نبیؐ گئے۔ محرابِ داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا، پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسرانِ فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلالؓ رسول اللہؐ کے موذن نے اکثر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں، حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا ”انھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزان ہیں جتنی قیمت پر جازین روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سب اہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو، بلالؓ نے کہا میں عزم

کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ اذان نہ دون کا لیکن آج اور صرف آج آپ کا ارشاد
 بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تم صبح بھر کو رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک یاد آگیا۔ اور وقت
 طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل دوستے دوستے قیاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ہچکی
 لگ گئی۔ دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے دو کعبہ اجبار کو بنیہ۔ اور ان سے پوچھا کہ نماز کمان پڑھی
 جائے مسجد اقصیٰ میں ایک تجارت جو نبیلے سابقین کی یادگار ہے۔ اس کو محفوظ رکھتے ہیں اور
 یہودی اسکی سعی طعنہ کرتے ہیں جس طرح مسجد نبویؐ کی۔ حضرت عمرؓ جب قعدہ کی نسبت
 پوچھا تو کعب نے کہا کہ صفحہ کی طرف۔ حضرت عمرؓ نے ایک رقم میں بتایا کہ یہ دیت کا اثر داتی
 ہے۔ اور کسی کا اثر تھا کہ تم نے صفحہ کے پس کر جوتی تھی۔ اس وقت سے حضرت عمرؓ کا
 ابو جعفرؓ عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر چارویں دس کتاب
 کے دوسرے جلد کے صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲ کو بھی دیکھ کر ناچا ہے۔

حصہ پرنسپالینوں کی دوبارہ کوشش

یہ کہہ کر میں نے اس وقت کے قریبی ہاؤس سے ہینریہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع
 دیا۔ یہ دونوں دردمند کی بہن بن سبب سٹیشن آرمین اور ہم اپنی رکھنے والے ہیں۔ یہ سکین
 اس وقت تک آرمینیہ پر شکست کی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس دمی فتوحات
 کے تین ہی مہینے۔

چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ
سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والون
نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجیے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر
حمص کو روانہ کی، ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے
ابو عبیدہ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفین جائیں۔ ساتھ ہی حضرت
عمرؓ کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھانڈو کیا
قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر دقت طیار رکھتے تھے کہ
کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں ملنا کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ
کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیے۔ قنقل بن عمر کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لیکر
حمص پہنچ جائیں۔ سیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والون کو حمص کی طرف بڑھنے سے
روک دیں۔ عبداللہ بن عتبہؓ کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عتبہؓ کو مانور کیا کہ جزیرہ
پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات
پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والون نے جب سنا کہ
خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیے۔ عرب
کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی بچپائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری
مرضی ہو تو ہم اسی دقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کھلا بھیجا کہ
افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ماتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند

نہیں کرتا، ورنہ بھگوتھارست شہر نے اور پچھلے بانے کی مشق پر دونوں تہم الزم پڑتے ہو تو خاصہ
 چھوڑ کر کسی طرح نکل جاؤ۔ اور ہر فوج نے ابو عبیدہ سے اتفاق شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت
 ہو۔ انھوں نے خالد سے پوچھا، خالد نے کہا میری جوار سے بہت معدوم ہے۔ یہاں کی ہمیشہ کثرت
 فوج کے بل پر پڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی، پھر کس بات کا اندیشہ ہے۔ اس پر بھی
 ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا، تاہم فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور موثر تقریر کی کہ تمہیں نوا آج جو
 شہادت قدم دیکھا وہ اگر زندہ ہی تو نکلتا ہے، لڑائی لڑنا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت میسر۔ میں گواہی دیتا
 ہوں اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے
 اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا، فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیے ہتھیار
 تھپی، ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گہرا دیا اور دقت سب نے متبادر سمجھا لی۔ ابو عبیدہ و قلب
 فوج اور خالد و عباس مہینہ اور میرہ کو لیکر بڑھتے، اتفاق سے جو کوئٹہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو
 آئے تھے جنھیں سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی، فوج چھوڑ کر توبہ سواروں کے
 ساتھ ابو عبیدہ سے آئے، مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ تاب کے قبائل، جیسا کہ خالدت اقرار
 ہو چکا تھا، بڑی کے ساتھ پیچھے ہٹے، ان کے ہٹنے سے یہاں یونان کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر
 نہ کہ اس ہوا سی سے باغ کے قریب ایک جنگ ان کے قدم نہ جتے، یہ خیمہ ہو کہ تھ، جسکی ابتدا خود
 یہاں یونان کی عزت سے ہوئی۔ اور جس کے بعد انکو کچھ بھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۶۶۸ء کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہی عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہیں لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں، خود ہی ۱۳۷ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے۔ اور خود ہی ۱۳۷ھ کے واقعات میں انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے، اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بغض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغازِ خلافت میں اُن سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد انکی عادت تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیے انکو تائید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سالا رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو، خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سہ سالاری کے عہد سے معزول کر دیے گئے، چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالدؓ کے حال میں تفصیل لکھا ہے۔

با این ہمہ انکو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۴۰ھ میں واقعہ

پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیدئے۔ پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گزشتہ دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دو ذونِ صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہی، قاصد نے جو معزولی کا خط لکھا تھا، مجمع عام میں خالد سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کی سرتابی کی سزا کے لیے انہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ حکم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جب کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دُم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہتا ہوا سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے خالدؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔

خالدؓ میرے آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ خالدؓ نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ چنانچہ پچیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو، اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر تمام عاملانِ ملکی کو لکھ بھیجا کہ ”میں نے خالدؓ کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہو خدا کرتا ہو۔“ ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالدؓ کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا۔ ۱۸ھ

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگارین خاکِ مین چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے۔ سرخ پہنچ کر ابو عبیدہ وغیرہ سے جوان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ ہاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف

۱۸ھ طبری صفحہ ۲۵۲۰ لے ایک مقام کا نام ہے۔

رائین دین، لیکن مہاجرین فتح نے یزیدیان ہو کر کہا کہ اچھا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دین کہ کل کو چ ہے، حضرت ابو عبیدہؓ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا، اور شیش میں آکر کہا،

افلہا من قدام اللہ یعنی اے عمر! تقدیر ایسی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ یعنی ہاں، تقدیر ایسی سے جہاں ہوں مگر جہاں بھی تقدیر لایا کیڑن ہوں

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے، کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ

ابو عبیدہؓ کو خیال ہوا کہ وہ اس کے خوف سے بلایا ہے، وہ اس میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا، جو وہ ہوگا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے مل نہیں سکتا، حضرت عمرؓ نے خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فورج جہاں اتری جو وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں

آجھا جاؤ، ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا،

جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہؓ بیمار پڑے جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پر اثر الفاظ

میں وصیت کی، معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں

اور نماز ختم ہوئی اور حاضرین نے داعی اہل کو لیک لکھا، بیماری اسی طرح زور و ن پر تھی اور فورج میں

انتشار پھیلا ہوا تھا، عمرو بن العاصؓ نے لوگوں سے کہا کہ یہ دبا بھی بلاؤں میں سے جو بنی اسرائیل کے زمانے

میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے، معاذؓ نے سنا تو سب پر چڑھ کر خطبہ پڑھا

اور کہا کہ یہ دبا، بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے جو خطبہ کے بعد غیمہ میں آئے تو یہ کو بیمار پایا، نہایت

استقلال کے ساتھ کہایا یعنی انھوں میں ہر ایک فلاح کو بن میں المہترین یعنی اسے فرزند یہ خدا کی طرف سے ہے، دیکھ شبہ میں نہ پڑنا، بیٹے نے جواب دیا سجد فی انشاء اللہ من الصباہ میں یعنی خدا نے چاہا تو آپ جھکو صابر پائین گئے، یہ کہہ کر انتقال کیا، معاویہ بیٹے کو دفن کر آئے تو خود بیمار پڑے، عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی،

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے، دبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طمہ اہل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذاً اسکو خدا کی رحمت سمجھا گئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی، لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم نہ، معاذ کے مرنے کے ساتھ انھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا، اور کہا کہ دبا جب شہر سے ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے، اسلئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر ہانڈون پر چارہنا چاہیے، اگرچہ انکی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہنچال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک پیر نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، تاہم عمر نے اپنی رائے پر عمل کیا، فوج ان کے حکم کے مطابق اودھرا و دھڑپاڑوں پر پھیل گئی اور دبا کا خطرہ جاتا رہا، لیکن یہ تدبیر اس وقت نفل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان چراگاہی دنیا کے فحش کرنے کے لئے کافی ہو سکے تھے، موت کے ہماں ہو چکے تھے،

ان میں ابو عبیدہ، معاذ بن جبل، زید بن ابی سفیان، عمارت بن ہشام، سہیل بن عمرو غنیمہ بن سہیل بڑے درجہ کے لوگ تھے، حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی، اور مناسبتاً احکام بھیجتے رہتے تھے، زید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دشمن کا اور شر جلیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا،

اس قیامت خیز دبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعۃً رگ گیا، فوج بجائے اسکے
 کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی، ہزاروں لڑکے قتل ہو گئے، ہزاروں عورتیں بیو
 بن گئیں، جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان حالات سے
 مطلع ہو کر شام کا قصد کیا، حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلم کو روانہ ہوئے، یہ فائنٹا
 غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے، ایلم کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو
 دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو لئے، راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین
 کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے اسی حیثیت سے ایلم میں آئے اور یہاں دو ایک روز
 قیام کیا گزری گا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کیلئے
 ایلم کے پادری کو حوالہ کیا، اسے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے، اور اسکے ساتھ ایک نیا کرتہ طیار
 کر کے پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے، ایلم
 سے دمشق آئے، اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات
 کئے، فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں، جو لوگ و بائیں ہلاک ہوئے تھے ان کے در در نزدیک کے
 وارثوں کو بلا کر انکی میراث دلائی، سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، جو اسامیان خلی
 ہوئیں تھیں ان پر نئے عمدہ دار مقرر کئے، ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصے میں
 آئے گی، پہلے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی،
 اس سال عرب میں سخت قحط پڑا، اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو نہ ہزاروں
 لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے، اسی سال، ہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور

روزینے مقرر کئے، چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئیگی،

قیساریہ کی فتح۔ سوال ۱۹ھ

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے، آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے، اس شہر پر اول اول ۱۳۱ھ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا، ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے زید بن ابی سفیان کو اون کی جگہ مقرر کیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی ہم پر جائیں، وہ انہار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا، لیکن ۱۳۱ھ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے، اور یہیں وفات پائی، امیر معاویہ نے بڑے سرد سامان سے محاصرہ کیا، شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی، تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا، ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان دیا، جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی، چنانچہ چند بہادر دن نے اسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا، ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتون کے پستے لگا دیئے، مورخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اتنی ہزار فوج تھی جہیں بہت کم زندہ بچی، چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا، اسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا،

جزیرہ - ۱۶ ہجری ۶۳۷ء

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی انہیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر سر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں، سب سے پہلے جزیرہ نے ہتیار سنبھالا کیونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی، اسلئے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی، وہاں سے عبداللہ بن العتیم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا، چنانچہ مقدمہ حبش پر ربیع بن الاکحل، مہینہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے، عبداللہ بن العتیم پانچزار کی جمعیت سے تکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا، مہینے سے زیادہ زیادہ محاصرہ رہا، اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے، چونکہ عجمیوں کے ساتھ رعب کے چند قبائل یعنی ایوا، تغلب، لہو بھی شریک تھے، عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور املا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تھے اعلین گے، یہ بندوبست ہو کر تاریخ ۱۲ ربیع الثانی پر دھاوا کیا، عجمی مقابلہ کو نکلے تو خود ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے اپنی جگہ کیا، عجمی و دونوں طرف

سارے جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو جدلہ اور ذرات کے بیچ ہیں، اسکی حدود اربعہ یہ ہیں مغرب آرمینیا کا کچھ حصہ، اور ایٹالی کو چھک، جنوب شام، مشرق عراق، شمال آرمینیا کے کچھ حصے، یہ مقام درج نقشہ ہو ۱۲ اسلئے تکریت، جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حد عراق سے ملی ہوئی ہے، وہبلہ کے غریب جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۱۲۱

سے گھر کر باہل پامال ہو گئے،

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی قہات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اسلئے مؤرخین اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے، اور خود اُس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا، سلمہ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر قبضہ بھیجی جائیں، سعد نے عیاض بن غنم کو پانچزار کی جمعیت سے اس ہم پر مامور کیا، وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن اسپائٹر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے، یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر مسلح کر لی، اور کچھ بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا، جن جن مقام پر خفیف لڑائیاں پیش آئیں ان کے یہ نام مین، رقعہ، حران، نصیبین، میا، قازقین، ہمساط، مروج، قرقسیا، زوزان، عین الوردہ،

خوزستان

سلمہ ہجری میں منیر بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے، انھوں نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن ملے، خوزستان اس حد آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اس میں ۱۲ بڑے شہر ہیں جن میں سے بڑا شہر "امواذ" ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے ۱۱

وامان قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ پہلے ہجری کے شروع میں ابوہریرہؓ کو ایرانی اہرمز شہر کتے تھے حملہ کیا، یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی، مغیرہ دین رک گئے سلمہ ہجری میں مغیرہ معزول ہو کر انکی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے، اس انقلاب میں ابوہریرہ کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، جمہور ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی، اور ابوہریرہ کو چاہیے شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پارودی سے مقابلہ کیا، لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا، غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی، لوٹدی غلام بنکر تقسیم کئے گئے، لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے، ابو موسیٰ نے ابوہریرہ کے بعد مناد فرما کر فرمایا، یہ خود ایک محفوظ مقام تھا، شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو رد کیا، اس موقع میں ہاجر بن زیاد جو ایک معزز انسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا،

ابو موسیٰ نے ہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے، ربیع نے مناد کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا، جمہور رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اسکے خاندان کے متوا آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں، ابو موسیٰ نے منظور کیا، رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اس کو اسن دیدیا جاتا تھا، بد قسمتی سے شمار میں تریس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا، چنانچہ جب تنہو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا، اس کے بعد راہز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی، یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا

اور خاندان شاہی کے تمام ارکان
تھیں، ہرمزان نے جو شیردہ
حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر ہوا
کو آگے بڑھنے سے رک
عظیم ساتھ کر دی، فوراً
یہیں تھیں، ہرمزان نے
ساتھ ہر طرف نقیب اور
اس تدبیر سے قومی جوا
ہو گئی، ابو موسیٰ نے دو
جو اس وقت کو فہر
نے جو سرد سامان کا
جواب میں عمار کے
لیکھ کر خود ابو موسیٰ
سرد سامان تھے
بل پر خود شہر کا
کو دیا۔ (یہ وہ
کیا، سواران و
ن کار سالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا، دونوں فوجین خوب جی توڑ کر لڑیں،

برائے مالک مارتے دھاڑتے شہرِ نپاہ کے پھانک تک پہنچ گئے ایرانی ہرگز شہر کتے تھے
 کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا، عین پھانک پر دونوں کا سامنا ہوا، برابر مار مار کر گئے سلسلہ جبری
 نے جو نیند کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا، لیکن ہرگز ان نے ان کا بھی کیا، اجواز کے رئیس نے
 کے ہاتھ رہا عجیبی ایک ہزار مقتول اور چھ ستو زندہ گرفتار ہوئے، ہرگز اشی کی، اور اجواز کو گھیرا
 جاری رکھی، آخر شکست کھائی اور

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ گئے، لیکن جب حضرت
 اس دیا جائے، تو میں شہر قبضہ کرادوں، ابوموسیٰ نے منظور کیا، اسنے ایک دن وہ سب چھوڑ دیئے
 اشترس تھا ساتھ لیا اور نردجیل سے جو جہد کی ایک شلخ ہے اور شوستر تھا، اشتر والوں نے بھی
 اتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا اور اشترس کے منہ پر چادر ڈال کر اغوا کر لیا، تھے شہید ہو
 میرے پیچھے پیچھے چلے آئے، چنانچہ شہر کے گلی گوجوں سے گزرتا ہوا خاص ہر

ہرگز ان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جائے بیٹھا ہوا تھا، شہری نے ان کو روانہ ہوئے، بیچ
 کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا کردی قلعہ میں لکھا
 تمھاری بہت اور تقدیر ہے، اشترس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ ہا کہ اسکے خاندان
 ساتھ ہوں تو شہر فرستج ہو جائے، ابوموسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا، دو سو بہادر دن ایک آدمی کو نامزد
 خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشترس اسی تہ خانے کی راہ شہرِ نپاہ کے دروازہ اپنا نام نہیں لیا تھا
 پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے اور ابوموسیٰ نے فوج کو قتل کر دیا، اسوس
 پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہل چل پڑ گئی، بہت قہر میں مقیم تھا

اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ان قلعے کے نیچے پہنچے تو اُس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے
 تھیں، ہرمزان نے جو شیردور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں
 حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر ہوا نپاڑا آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر
 کو آگے بڑھنے سے روک سکتے نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے
 عظیم ساتھ کر دی ہو۔ سنی بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس
 یہیں تھیں، ہرمزان نے می رکاب میں لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شامانہ ٹھاٹھ سے آراستہ
 ساتھ ہر طرف نقیب اد کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا، دیبا کی تبا زیب بدن کی۔ شامان
 اس تدبیر سے قومی جو اُفتی زیور پہنے۔ کمر سے مصرع تلوار لگائی۔ عسکرین شوکت و شان کی
 ہو گئی، ابو موسیٰ نے داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ ایسے المومنین کہاں ہیں؟ وہ بھٹکتا تھا
 جو اس وقت کو فہرستہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے، اُس کا دربار بھی بڑے
 نے جو سرداران کا ہو گا۔ حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور
 جواب میں عمارؓ بٹے ہوئے تھے۔

لیکھو خداوند مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑن تماشائی ساتھ تھے۔ جو اس کے ذرق برق لباس
 سرداران تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجی
 بل پر خورشید کا موقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب
 کو دیا۔ (یہ وہ نیا ہے دون کی ولفریبیان ہیں) اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب
 کیا، سواروں وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لیے

انھوں نے ترجائی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ میترہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے۔ اس لیے کہا کہ ”از کدام ارضی؟“ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعدؓ سے صلح کی تھی اور ہمیشہ استراحت سے پھر پھر جاتا تھا۔ شوستر کے مور کے مین دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر سچ تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اعلیٰ حجت کے طور پر عرض و عرض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا، تم ہمارے غلام تھے، اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ لکھ بیچے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نجاؤں حضرت عمرؓ نے منظور کیا، اُس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور سبیلے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس منالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلہوڑو حیدر پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تیرے لیے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور خاص مدد پیہ میں رہنے والے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارسی کی ان باتوں کو اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی ساہو پر حملہ ہوا جو شوستر سے ہم میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ کیا ایک دن شہر والوں نے خود شہر بیاہ کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کی تھی۔ لیکن ان واقعات کو جبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے سلسلہ عقد الفری لابن عبد ربہ۔ باب المکید فی الحرب

تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو اُن کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا تم ہلکو چیز میں کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقمہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی محبت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر کو خط لکھا گیا، انھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جب کو اُس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم - سیم ہجری

جلولہ کے بعد جبیا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں، یزید گردے چلا گیا۔ لیکن میان کے رئیس آبان جاوید نے یونانی کی۔ اس لیے رے سے ٹھکرا صفنان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ میان پہنچ کر مرو میں اقامت کی، آتش پارسی ساتھ تھی اس کے لیے آتشکدہ تیار کرایا اور مہلسن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کا سکہ بٹھا دیا۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کیساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہر فرمان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر ہر شاہ سہ سز میں عراق دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں ہمدان واقع ہوا سوقت اسکے بڑے شہر ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے۔ سوقت رے بال بلان ہو گیا اور اسکے قریب ان آباد ہو گیا جو شہر قاپا کا دار السلطنت ہے۔

طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا عرب و داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر و فتۃ نہیں مٹ سکتا تھا، ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی۔ اس لیے انکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان کے واقعہ سے انکی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرین اور نقیب پہنچے، اس سے دفعۃً جرجان۔ دماوند۔ رے۔ اصفہان۔ ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل قوم میں اکر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو دہرمز کا فرزند تھا، سرشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس معرکہ میں دفش کا دیانی جسکا عجم فال ظفر بچتے تھے، مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر برا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ، عمار کا خط لے ہوئے مسجد نبوی میں آئے۔ اور سب کو سنا کہ اگر وہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھ کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کا ربا دیا ہے، ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دین بجالائیں“ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ”میری رائے ہے کہ شام۔ یمن۔ بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں، اور آپ خود اہل حرم کو لیکر مدینہ سے اٹھیں، کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں۔ اور پھر نہاوند کی طرف رخ کیا جائے“ حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں

ہین تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب
میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھما مناشکل ہو گا۔ میری رائے
کہ آپ یہاں سے نہ ہلین۔ اور شام۔ یمن۔ بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیے جائیں کہ جہاں جہاں
جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ٹلٹا دھروا کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی
یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی جم
میں سپہ سالار بیکر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر
نہیں آتا تھا جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہو کہ انھوں نے ملک کے حالات سے
ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف انکی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ
اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے
نعمان بن حمرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ نعمان تین ہزار کی جمعیت لے کر
کوثرہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حدیفہ بن الیمان
عبداللہ بن عمر۔ جریر بن حلی۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسیوں کو
بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہی۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند
وسیل اوھر اسپدان ایک مقام تھا وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کہ
فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں انکو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے
نہ پائیں اس طرح دشمن ایک بہت بڑی دوسے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ خیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے، سیفر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے در و دربار راستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زبر پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے دیباے زکریا کی قبائیں۔ سر پر تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے لنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دو در و در تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں۔ جنگی برہنہ تلواروں سے انکھن خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا ”اہل عرب ہر سب سے زیادہ بد بخت۔ سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہو تم ہو! یہ قدر اندھ میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔“ مغیرہ نے کہا ”ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں اگر کچھ دولت کا فرہ پڑ گیا اور یہ مرے ہمسے اُسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔“ غرض سفارت بجا صل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے مینہ اور مسیرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ بخروہ پر قلعہ کو مقرر کیا۔ ساتھ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر مینہ پر زرد کو اور مسیرہ پر یحییٰ بن قیس نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف کو کھڑکھچا دیے تھے۔ جب کہ وہ کھلنا نہ کھلے گئے بڑھنا کھل نہ سکا تھا اور عجیب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے، نعمان نے یہ حالت دیکھ کر انسردن کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ راستے لی۔ علی بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قلعہ کو کھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔

عجمی ہرے جوش سے مقابلہ کونہ کئے اور اس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے؟
 جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوگھر دھجھاتے آتے تھے، قنقلع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے
 ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوگھر کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے
 ادھر جو فوجیں جمار کھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جون ہی عجمی زد پر آئے اُنھوں نے حملہ کرنا
 چاہا لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر رہا رہے تھے، اس سے سیکڑوں ہزاروں مسلمان کام
 آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ معمرہ بار بار کہتے
 تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر
 کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے
 غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج سرسما
 سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تولیں۔ تیسرے پر دھنچکا حملہ کیا۔ اور
 اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پستے ٹگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون
 بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی
 خود بھی گرے۔ اور زخمیوں سے چور ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں
 پہچانے جاتے تھے۔ کلاہ اور سفید قباحتی۔ جون ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن
 انکے بھائی نے عسلم کو تھپٹ کر تھام لیا۔ اور اُن کی کلاہ اور قباپہن کر اُن کے گھوڑے پر
 سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور
 قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اس کا اندازہ

ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے، نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں ابھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو، اتفاق سے ایک سپاہی اُن کے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں، گھوڑے سے اُن کو اُن کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا۔ اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سر ہانے گیا اُٹھون نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُس نے کہا ”مسلمانوں کو فتح ہوئی“ خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمر بن کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجیون کے پانوں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے حمید بن یوسف تعاقب کیا۔

حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہادہ پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آشکدہ تھا۔ اس کا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا تہہ دون چنانچہ کسرے پر دینے کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کیے جسکو کسرے نے مشکل وقون کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عمرؓ کو مفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی قاصد نے قرۃ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے، لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدائے نام گناے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنکو میں نہیں جانتا حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ عمرؓ نے تو بخانہ خدا انکو جانتا ہے۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے

اکوئینچ کرفج کو تقسیم کر دیں چنانچہ یہ جو اہرات چار کروڑ دہم کو فروخت ہوئے۔
 اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر بھی زور
 نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہات پر حضرت
 فاروق کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۶۳۶ء

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو
 اطیایان ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تھیں عراق البتہ مالک محروسہ
 میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ حقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے
 ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر اطیایان ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں
 خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں
 آگ کا پہاڑ ہوتا کہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا، وہ ہمیشہ نئی فوجیں طیار کر کے مقابلے پر آتے تھے
 اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کر دیا کرتے تھے۔ ہذاوند کے معرکہ
 سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ”ممالک مشرق میں بار بار
 بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟“ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے
 یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے

اُس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو۔ ساہور و اردشیر کا۔ جاشع بن مسعود کو اصرخ کا۔ عثمان بن العاص اشقی کو فسا کا۔ ساریہ بن رہم الکناہی کو۔ کرمان کا سیل بن عدی کو۔ سیستان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ مکران کا حکم بن عیسر ثعلبی کو۔ آذربایجان کا عقبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی، یہاں کے رئیس نے جب کا نام استندار تھا اصفہان کے نوچی میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جسکے ہر اول پر شہر براز جاوید ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا، دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جاوید نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے، عبداللہ خود مقابلے کو نکلے، جاوید مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا، استندار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی، عبداللہ نے آگے بڑھ کر چھ یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاؤ ورفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانبوں کیون صانع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں، دونوں حریف میدان میں آئے، فاؤ ورفان نے تلوار کا وار کیا، عبداللہ نے اس پامردی سے اُس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاؤ ورفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلے اور کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے

جو چاہے جزیرہ دیکر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبد اللہ نے یہ شرط منظور کی اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثنار میں یہ خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اودھ گردا لیا۔ انھوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کیے۔ لیکن حبیب محاصرہ بن دیر لگی تو اصداغ میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات تاراج ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ دن نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن یلم نے رے اور آذربایجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی ایک طرف سے فرخان کا باپ زمیندی جو رے کا رئیس تھا۔ انہوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربایجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رودین یہ فوجیں جمع ہوئیں۔ اور اس زور کارن پڑا کہ دو گون کو نہادند کا سرکہ یاد آگیا، آخر وہ یلم نے شکست کھائی، عہدہ جو واقعہ حسیں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے، اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس دن کی تلانی ہو جائے حضرت عمرؓ یلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعہ زور پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں، بے ساختہ زبان سے انا للہ نکلا۔ عہدہ لے کر آیا آپ گھبراہٹ میں نہیں خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم متھام کر کے رے کو روانہ ہون سے کا حاکم اس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوہین کا پوتا تھا۔ اُس نے دنیا و نذر۔ طبرستان۔ توس۔ رجاں کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں لیکن زمیندی جسکو سیاوش

سے کچھ مال تھا نعیم بن مقرن سے آملہ۔ انکی سازش سے شہر پر حملہ ہوا، اور حملہ کے ساتھ دفعہ شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زمیندی کو رسے کی ریاست دی اور پیرا نے شہر کو بر باد کر کے حکم دیا کہ نئے سر سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رسے میں قیام کیا، اور اپنے بھائی سوید کو قوس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا، اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربایجان - ۲۲

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربایجان کا علم عقبہ (بن فزق) اور بیکہ کو بھیجا تھا اور انکے بڑھنے کی سمیتیں بھی متعین کر دی تھیں، بیکہ جب میلان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام، عقبہ کا شکار ہو گیا۔ وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بیکہ سے کہا کہ اس لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جبریز پر تم سے صلح کر لیتا ہوں، چونکہ آذربایجان (یعنی دو دن بھائیوں کے قبضے میں تھا، عقبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربایجان سے نفٹ دیکھنے سے آذربایجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے (سابق میں شہر افندہ دار (صدر تھا) بروہہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذربایجان کی دو قسمیں ہیں دور و اہتیں ہیں ایک تہہ اور دوسرے ایک آتشکدہ بنایا تھا جو کانام آذرباؤگان تھا۔ دوسری روایت یہ کہ نفت پہلوی میں آذر کے معنی آتش کے ہیں اور بائیکاگ کے معنی ہیں غافل یعنی نگاہ دار تہہ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اسوجہ سے یہی نام ہو گیا۔ جسکو عربوں نے اپنی زبان میں آذربایجان کر لیا۔

کائرس کہ کر حزیہ ادا کر لے، مہرخ بلا ذری کا بیان ہو کہ آذربایجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا، وہ نہاوند سے چلکر ارویل پہنچے جو آذربایجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے باجروان میمنہ سراۃ بہتر میاںج وغیرہ سے ایک انہوہ کیش جمع کر کے مقابلہ کیا، اور شکست کھائی۔ پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جبلائی پر حملہ کیا۔ اور فتح کے پھر پرے اڑائے۔ اسی اثناور میں دربار خلافت سے حذیفہ کی مغزولی کا فرمان پہنچا۔ اور عقبہ بن فرقان کی جگہ پر مقرر ہوئے۔ عقبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربایجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ چنانچہ عقبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان - ۲۲
۶۹۲۳

ہم اور لکھائے ہیں کہ نعیم نے جب رائے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سویدہ قوس پر بڑھنے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو بلترستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سویدہ نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور محالہ صلح میں تبصریح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دین گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر بلترستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کھلا تا تھا اس شرط پر اسے نقشہ میں صوبہ بلترستان فتوحات عثمانی میں لے گا۔ اس لیے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کی حدود و اربعہ یہ ہیں مشرق میں خراسان جرجان مغرب میں آذربایجان شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد حجاز اسلام اور استراباد و کوشہ شہر ہیں۔

سالانہ دیا کرے گا، اور مسلمانوں کو ان پر یا انکو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا

آرمینیا

کے ساتھ دفعہ شہر
کے حکم دیا کہ نئے
م کیا، اور اپنے

بکیر جو آذربائیجان کی محکم پر مامور ہوئے تھے آذربائیجان فتح کر کے باب کے شہر پر قبضہ ہو گیا۔
کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی، باب کا رئیس جس کا نام
تھا اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا، مسلمانوں کی آمد سن کر غور حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آؤ

سے کچھ مدد دی نہیں ہو، میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا، بکیر کو بھیجا تھا
میں طبع ہوں، لیکن میری درخواست ہو کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش نہ آوے۔ اس وقت
امداد لیا جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف حیا فطرت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط عقبتہ کا سزاوار
اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ بلنجر کی طرف جو مملکت بڑے کہا

تھا، روانہ ہوئے۔ شہر براہ راست تھا اس نے توبہ کے کہا کہ کیا ارادہ ہو؟ ہلوگ اپنے عہد میں اسی کو
غنیمت سمجھتے تھے، کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر
میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضاً فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔

اور بکیر نے قان کہ جہاں اران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب
بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھر میرا ارادہ تھا

اے صوبہ آرمینیا کہ بلاد آرمین بھی کہتے ہیں جو ایشیائی کو چاک کا ایک حصہ ہے شمال میں بحر اسود، جنوب میں کبریٰ اور صحرائی حصہ دور کا چلا گیا
شرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں، چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہو چکا اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگت جدا

کارسس رہے کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

وہ نہادندہ

سراۃ سبز

فارس - ۲۳

پہلے ہو گئی۔ پراگرچہ اول اول سلسلہ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور اسی پندار کا میاں بی ہوئی تھے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب سمجھا مقرر ہوئے اور جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ کو فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارا اور فارس کے عہد نے دو زبان پہاڑ ٹھائل بہوتا تو اچھا تھا" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علماء سلسلہ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ اسے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہرمیدان میں اُن سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے ہم انہ جب قادیسیہ کی لڑائی جیتی تو علماء کو سخت رشک ہوا، یہاں تک کہ دوبار خلافت سے اجازت مانگنے لگی اور فوجیں طیار کر کے دریائی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جبار و بن اعلیٰ اور رواب بن ہام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطرطہ پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں، یہاں کا حاکم ایک ہیرید تھا، وہ ایک انبوه کثیر لیکر بھینچا اور دریائے کرکس پار صغین قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آگئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ لڑے حال کے خزاہین عراق کی حدود دکھنا آفراس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر تپے جوت کا نقشہ یا اس وقت فارس کے حدود یہ تھے

شمال میں اہمان اجزیو بین بحر فارس مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب، اسکا رستہ بڑا مشہور شہر شیراز ہے۔

کو بڑے اور فوج کو لگا کر کہ مسلمانوں کو اپیل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے ہمازون کو چھیننا چاہا، لیکن
خدا نے چاہا تو ہمازون کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جبار و دہری جانا بازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے۔ اور ہمازون کو تہ تیغ کیا، خلید
کا رجز یہ تھا۔

یا آل عبد القیس للنزاع قد حفل الامداد بالجحاع

وکلھم فی سنن المصاع بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے
پچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے ہمازات غرق کر دیے تھے، مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بد قسمتی سے
اُدھر بھی راہین بند تھیں، ایرانیوں نے پہلے سے طرف نام کے روک رکھے تھے، اور جابجا فوجیں
ستعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے، علما کو نہایت تہدید کا
نامہ لکھا، ساتھ ہی عقبہ بن نضول کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار رہو، اور فارس پر
جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابوسبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہان
ار کے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے، اُدھر جو سیون نے ہر طرف قیہ دوڑا دیئے تھے
اور ایک ابنہ کثیر کا سر لشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریت دل توڑ کر لڑے بالآخر
ابوسبرہ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہایت
کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں

کین۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ ساہور۔ اور شیر توج۔ صطخر سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس ہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابر کا دان فتح کر کے توج پر بڑھے، اور اسکو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدین تعمیر کیں۔ اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے۔ یہاں سے کبھی کبھی اٹھکر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اس طرح اور شیر۔ ساہور۔ صطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لیے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ رامشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پانوں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مار گیا۔ اس کے بعد عثمانؓ نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمانؓ نے جس طرف رخ کیا ملک کے مکانشخ ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازردن۔ نو بند جان۔ ارجان۔ شیراز۔ ساہور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمانؓ کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فنا۔ دار الجسر۔ وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان - ۲۳

کرمان کی فتح پرنسپل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ھ میں ایک فوج لے کر جبکہ ہراول بشیر بن عمر بھلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے نفس و غیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں تیسرے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی حیرت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور ٹیٹار ادنٹ، اور بکریان غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ حیرت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان - ۲۳

یہ ملک عجم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ بھلے۔ عجم برابر بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے۔ محاصرہ کیا۔ محصور دن نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام آراضی سچھے لے اسکا قدیم نام کرمانیہ جو حدود دار بعد یہاں شمال میں کوہستان جنوب میں بحر عمان مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس زمانہ سابق میں اسکا دارالصدر کوامیر (بروہمیر) چکی جگہ اب حیرت آباد ہے ۱۵ سیستان کو عرب سجتان کہتے ہیں۔ حدود اور بعد یہ ہیں۔ شمال میں ہرات۔ جنوب میں کرمان۔ مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان۔ مشہور شہر نرنج ہے جہاں نبوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۵۰۰۰ میل مربع ہے۔

بھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وقائی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر تک جس قدر ممالک تھے، انکی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران - ۲۳

مکران پر حکمران عمرو بن تغلبی مامور ہوئے تھے، چنانچہ ۲۳ھ میں روانہ ہوا کہ نہر مکران کے اس طرف زمین اتاریں، مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پارا تر کر آیا۔ اور صفت آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی، اور مکران پر قبضہ ہو گیا، حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے، دربار خلافت میں بھیجے۔ صحابہ عہدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انھوں نے کہا ارض سهلها جبل وماءها وشل وثمرها دقل وعدوها بطل وخیرها قليل وشرها طویل والکثیر بها قليل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرنا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ زمین جہاں تک پہنچ چکی ہیں، وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ لے آجکل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ سرحد بلذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر قریل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اس لیے ہم بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے۔

مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک زمین آئین۔ اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمر کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ھ

ادپریم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احف بن قیس بھی تھے، اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احف نے ۲۳ھ میں خراسان کا رخ کیا بلعین ہر کہہ رات پھنچے، اور اسکو فتح کر کے مرو شاہجان پر بڑھے، یزدگرد و شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد منکر و درود چلا گیا، اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو اتحاد کے نامے لکھے، احف نے مرو شاہجان پر چار شہ بن السمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو کی طرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سید صالحؓ پہنچا، اس اثنائ میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جس سے مہمہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضر، ربعی بن عامر، ابی عقیل اشقی ابن ام عمار، الہمدانی تھے۔ احف نے تازہ دم فوج لے کر تلخ پر حملہ کیا یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا تر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احف نے میدان خالی پا کر ہر طرف زمین بھیج دیں اور نیشاپور سے طارستان تک فتح کر لیا، مرو و درود کو تخت گاہ قرار دیکر تمام کیا۔ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طارستان اور سیستان قبضہ خراسان میں داخل تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ اس کے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، فرسا اور ابی ورد وغیرہ تھے جن میں سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہیں۔

اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو
چندان پسند نہیں کرتے تھے خطا پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دیا حال
ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مروانہ حوصلوں کی اگر تپسی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف ثمرقین کا
سرتاج ہو، تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ
بڑھنا اور یزید کو رخصتان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر
یزید کو رخصتان کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چونتیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے۔
خاقان کی آمد سن کر مروانہ کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مروانہ کو پہنچا،
یزید کو رخصتان سے الگ ہو کر مروشاہجان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا
مناسب نہ سمجھا، نہرا ترکز ایک میدان میں جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں
مدت تک آمنے سامنے صفیں جاسے۔ ایسی ہی راتیں بھی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان
جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے پھڑے واپس آ جاتے تھے
ترکوں کا عام دستور یہ کہ پہلے تین پہاڑ میدان جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں
پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان جنگ میں گئے۔ ادھر سے معمول کے
موافق ایک ترک طبل و دم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک رد و بدل ہی آخر احنف
نے ایک برچھی ماری ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا

ان علی کل سئل حفتاً ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق وہ اور بہادر ترکی میدان میں آئے۔ اور احنف کے مات سے مارے گئے

خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں، چونکہ
شنگن بُرا تھا، نہایت بیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بغاؤ پر آیا جھگڑا کیوں مولیں
چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد - مردشاہجان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر بخبری مسیح سے تا امید ہو کر خزانہ اور جو اہل
ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر ملک کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہو روکا
اور جب اس نے نہ مانا تو برسرِ مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد
بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا، اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان
کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدیتہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے
تمام آدمیوں کو جمع کر کے فرود فتح سنایا اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجیسوں کی
سلطنت بر باد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست
کرداری پر ثابت قدم نہ رہتے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح - سن ۶۴۱ھ

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کا زمانہ میں داخل ہو لیکن اس کے بانی مبنی عمرو بن العاصؓ
وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصران کی تجارت کا جولا نگاہ تھا۔ اُس زمانے
میں مصر کی نسبت گراں قسم کا خیال بھی اُن کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اسکی زرخیزی اور
شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظروں میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں

یہ اُن سے ملے اور مصر کی بہت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر اُن کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا، عمروؓ کو کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُسے پھر آنا۔ عیش پھنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں اُس کے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرط یہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے۔

غرض عیش سے چل کر فرما پھنچے، یہ شہر بحرِ روم کے کنارے پر واقع ہے اور گوب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج ہتی تھی۔ اُس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مہینے تک محاصرہ کا رزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چلکر بلقیس، اور اُمّ دُہین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے، فسطاط اُس زمانے میں کف دست میدان تھا، اور اُس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبلِ قبط کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے۔ لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور بہا زات و کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آگیتی

لے مقررہ مین لکھا ہے کہ قاصد مقامِ رفیع میں عمروؓ سے ملا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ اُسے بڑھنے سے منع کیا ہو گا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا عیش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ "مصر پہنچ چکے ہو تو رک جا، لیکن ہم تو مصر کی حد میں آچکے" لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کہ اتہام کی کیا ضرورت ہے! اولاً تو بلادِ مصر نے تصریح کی ہے کہ خط انکو عیش ہی میں ملا لیکن رفیع میں ٹہرتے بھی کچھ مہاجرین کیونکہ رفیع خود مصر میں داخل ہے

تھیں۔ ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو
ٹاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصر کا فرمان روا اور قیصر کا باج گزار تھا، عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا
اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا
اور اعانت طلب کی، انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں
ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہی، یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمر۔
سنان بن خالد تھے، ابھی کہ جو رہتہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے انکو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات
انکے ہاتھ میں دیدیے۔ انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں
جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیے، اسکے ساتھ منجیقوں سے
پتھر برسائے شروع کیے، اسپر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، یہ سیر نے
ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ لکھ کر ننگی تلوار قلعہ میں لی اور بیٹھی لگا کر قلعہ
کی فیصل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فیصل پر پہنچ کر نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے
ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین اہل کھٹی عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، ہجرات
ہو کر بھاگے۔ ادھر زبیر نے فیصل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے
یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے
دعوت کی، عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور محلی لسیون پر بیٹھے، کھانے میں خود سلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے، اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے، کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوتیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نچتے تھے کہ شور بہ کچھ پیشین اُڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کمان ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا ”وہ اہل الرائے تھے، اور یہ سپاہی ہیں۔“

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہر قتل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبلی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی؟ اس وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کیلئے طیارہ بنے۔

اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ

فساط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا کہ فساط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ ومان سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک بکوتر نے گھونسا لگایا تھا خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے ہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فساط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اسلئے خود شہر

بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال ۳۱ھ میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انھوں نے سدا راہ ہونا چاہا چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے۔ فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ بمقام کربون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیرہ ویکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے دوسرے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لیے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے معروب کرنے کے لیے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر شاہ کی فیصل پر مسلمانوں کے آئے سامنے صف بجا کر کھڑے ہوں، عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں۔ اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں، انھوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ ”ہم تمہارا مطلب سمجھے، لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہیں کیے۔ تمہارا بادشاہ ہر قتل جس سردار سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہو اور ہتھیار ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔“ مقوقس نے کہا ”سچ ہے یہی عرب ہیں جنھوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطینیہ پہنچا کر چھوڑا“ اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا، اور لڑائی کی طیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُسے عمرو سے اقرار لے لیا تھا، کہ چونکہ میں رومیوں سے

الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبیل) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے، قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا، کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے۔ بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلون کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تمہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے انکو زمین پر روئے پٹکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے اگر جان بچائی۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس کر کے کہا کہ ”زخون کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے“ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

رائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دبا تے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے مروانہ جان دینی چاہی تو انھوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے، اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تکو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب تیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے

نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر کچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک دار ہوتے رہے، بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی دین ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انھوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جب قدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر رہتی جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو، اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جب کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے، عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامیت کو جو برسوں رسول اللہؐ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ جھکود دیجیے۔ خود سر سے عمامہ اتار ا۔ اور نیزہ پر لگا کر انکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے۔ اور آج آپ سپہ سالار میں زیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہر اول کیا غرض اس سردار سامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جاسکو جاؤ اور امیر المؤمنین کو مزدہ فتح سناؤ۔ معاویہ انہی پر ہوا رہوئے اور دو منتر لہہ منتر لہہ کرتے ہوئے دینے پہنچے، چونکہ ٹھیک دوسرے وقت تھا اس خیال سے کہ یہ رام کا وقت ہو بارگاہ خلافت میں جاتے

پہلے سیدے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر کی لونڈی اُدھر آنکلی اور انکو مسافر کی ہیئت میں دیکھا پوچھا کہ کون ہوا اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا اسکندریہ سے اُس نے اُسی وقت جا کر خبر کی، اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تمکو امیر المؤمنین بلائے ہیں، حضرت عمر اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر نبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دیا کہ اَصْلَاحُ جَمَاعَةٍ شَئْتُمْ ہِیَ تَامَ مَدِیْنَةُ امْنًا آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر کے ساتھ اُن کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے، وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ ہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ اُسے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے، شاید آپ سوتے ہوں، فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہو۔ میں دن کو دنگا تو خلافت کا بار کون نبھائے گا۔

عمر اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قطعے متعین کیے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں طیار کر لیں تفصیل اس کی دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام ضلع میں ردی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ ہو۔ یہ تمام تفصیل مقررہ سے لی گئی ہے۔

نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن عذافہ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ شیم۔ بشر و دات۔ معید اور اُس کے تمام مصنفات میں چکر لگا آئے، اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عیسیٰ بن وہب الحجی نے تینس۔ دمیاط۔ تونہ۔ و میرہ۔ شطا۔ و قملہ۔ بنا۔ بونہیر۔ کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام لٹیری حصے فتح کر لئے۔

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ انکی نسبت کیا کیا جائے، حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کدو کہ ان کو اختیار ہو مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں، اسلام قبول کریں گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہو۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے ایک جات جمع کیے عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا۔ اور مسلمان عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے پنج میں قیدیوں کا گردہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان لشکر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارک کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسد کی موافق کامیاب آئے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء

(کل سنت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن -)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابو لؤلؤ تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر نکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہؓ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کلمہ کرادیجیے۔ حضرت عمرؓ نے تعدا پوچھی اُس نے کہا: ماروزانہ دو درہم (قریبا سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے؟ بولا کہ ”بخاری۔“ نقاشی ”آہنگری“ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابل میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز تجھڑے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفین درست کریں۔ جب صفین سیدھی ہو جیتی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفین درست ہو چکیں۔ تو حضرت عمرؓ امامت کے لیے بڑھے۔ اور جون ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفتہ گھاسٹ میں سے نخل کر چھ دار کے جنین سے ایک نان کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا۔ اور ساتھ ہی اُس نے خود کشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھولائے۔ سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ ”یہ مرقا تل کون تھا؟“

لوگوں نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ ”الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے مات سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔“ لوگوں کو خیال تھا کہ جسم چند ان کا رہی نہیں ہو۔ غالباً شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلا گیا۔ اس نے نبیؐ اور دو وہ پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اُس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ ”اب آپ اپنا دلی عہد منتخب کر جائیے“

حضرت عمرؓ نے بعد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ ”عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔“ بعد اللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وہ روہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کیا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ”اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی“ بعد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی، بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ ”یہی سب سے بڑی آرزو تھی“

اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مهم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے پر مدّتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں۔ اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان پہچان ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمی نہ تھی۔ بار بار اُن کے منہ سے

بیاختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بار گران کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جنہیں انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد و قاصؓ۔ عبد الرحمن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ اور اس کا انھوں نے

لے حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خورہ گیران کین، گوہنے انکو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جاکلام نہیں البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو کلمہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ انکے مزاج میں ظرافت ہو یہ ایک خیال ہی تھا معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ ظرافت تھے مگر بقدر اعتدال ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے سچ در سچ تھے کہ قریش کسی طرح انکے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کیے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر سیلے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا اڑسبستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ کیون عبداللہ بن عباس علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے۔
عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا، اور تم رسول اللہؐ کے چھیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تمہاری قوم، تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔
عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

مختلف موقعون پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریکارڈ تفصیل مذکور ہیں۔
مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے

متعلقہ صفحہ (۲۰۳) حضرت عمرؓ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔
شاید یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مکمل خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ
مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ مکمل خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تھا جس سے حق میں کچھ بھی مفید نہوتا
دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ تفصیل ہو کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں۔ کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کیون عبد اللہ بن عباسؓ اتھاری نسبت ہیں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے
اسکی تحقیق نہیں کی کہ تمھاری عورت میری آنکھوں میں کم نہو جائے۔

عبد اللہ بن عباسؓ۔ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت خدا اور ظالم چھین لی۔

عبد اللہ بن عباسؓ۔ ظلم کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن خداؑ

تو اس کا تعجب کیا ہے۔ انہیں نے آدم پر حسد کیا۔ اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہو؟

حضرت عمرؓ، انوس۔ خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبد اللہ بن عباسؓ، ایسی بات نہ کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ۔ اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبد اللہ بن عباسؓ۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۶۸ تا ۶۷)۔

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تمہائے بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلی

انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ”ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرتِ رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔“

حضرت عمر کو قوم اور ملک کی یہودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہان تک انکی قوت اور عواس نے یاری دی اسی دھن میں مصروف رہے، لوگوں کو نجی طلب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو، اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار۔ اعراب۔ وہ اہل عرب جو اور دشمنوں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی۔ جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے ”میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ انکے دشمنوں سے لڑا جائے۔ اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ بعد ازاں اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ ”مجھے کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھپاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے۔“ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

تو بہتر ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا، اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عیشمان، لیکن عمن شبہ نے کتاب المدینہ میں نیز صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے، کہتے تھے کہ ”عمرؓ قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُنکے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بچا تھا۔“

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھپا سی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ اُنکا مسکینہ مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اُس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ تفصیل مذکور ہے۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صیب نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، سعد و قاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ نے قبر میں آمارا۔ اور وہ آفتاب عالمتاب خاک میں چھپ گیا۔

سِلْسِلَہ
نامورانِ اسلام
الفاروق

یعنی حضرت سرزنی لدی عنہ کی مفصل سوانح عمری کا

حصہ دوم

جس میں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر ان کے ذاتی اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً ان کے جہانہ کار ناموں کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے

مؤلف

شبلی نعمانی

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڑھ بن چھٹی
اشفاق سن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حصہ دوم فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو، اُس سے تمہارے دل پر اُس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزیمت، واستقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چنیدہ صحرائی مشینوں نے اکیونک فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر روپ گینز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اُس میں فرمان رواے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں، لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُس کے حدود اربعہ کیا تھے؟

حضرت عمرؓ کے بقوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ منظمہ سے شمال کی جانب

ذات فاروقی
وسعت

۱۰۳۶۔ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۔ جنوب کی جانب ۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف
جذہ تک جہ حکومت تھی اس لیے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینہ۔ آذربائیجان۔ فارس
کومان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ ایشیائے
کوچکانہ جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں سلسلہ میں حملہ ہوا تھا۔ لیکن وہ فتوحات کی فہرست
میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اسکی
تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب
یورپین موزوں
کی سڑک کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین موزوں نے یہ دیا ہے کہ اُس وقت فارس و روم دونوں
سلطنتیں اوج اقبال سے گچھکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بن نظام سلطنت بالکل
دھم دھم دہر رہی ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو نبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار
کے عمار دارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انھی سازشوں کی بدولت تخت
نشینوں میں اول بدل ہوا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے میں عنان حکومت
چھ سات فرمان رواؤں کے ہاتھ میں آئی اور بکھل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیروان
سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا، جو الحاد و مذمت کی طرف مائل تھا، نو شیروان
نے گوندوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا
قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا
پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں

میں فسٹورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی، وہ بھی اسلام کے سایہ میں اگر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں بات آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی، اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زور و زور پڑتے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لیے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یہ جواب گوارا قیمت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے، اُس سے زیادہ طرز استدلال کی قطع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے، بے شبہ اُس وقت فارس دروم کی سلطنت میں اہل عرب پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پُر زور سے ہوجائیں، روم و فارس کو کسی حالت میں تھے تاہم فوج جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں، رومیوں میں ایک مدت تک انکا عملی رواج رہا اس کے ساتھ رمد کی فراوانی، سرو سامان کی بہتات آلات جنگ کے تنوع، فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی، مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا، پھر خسرو روم نے ایران

پہلے برصغیر کی را
کی غلطی

پر حملہ کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے
 نے چھین لیے تھے واپس لیے اور نئے سر سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً تسلیم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا۔
 خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے
 سے عرصے میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی اذل
 بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں
 کوئی کمی نہیں آئی تھی، اس لیے جب یزید کو تخت نشین ہوا اور دربار یون نے اصلاح کی طرف
 توجہ کی تو فوراً نئے سر سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزید کہ فرقہ گویاں میں موجود تھا لیکن تمام تاریخ
 میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نشوونما کی کوئی اعانت
 ہیکو معام نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں
 نے کمین نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو، تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف
 تھیں انکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فوج جنگ سے واقفیت کا یہ حال
 کہ رموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعجیل کے طرز پر صف آرائی کی، خود زرہ چلتے جوشن
 بکتر چار آئینہ، آہنی دستا نے جہلم، موزے، جوہر ایرانی سپاہی کا لازمیلبوس جنگ تھا۔
 اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی۔ اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب
 لہ ابن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ میں سے گزرو گند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیان کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلی پہلی انکو دیکھا تو سمجھا کہ تنگلے ہیں۔

فتوحات کے
پہلی باب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش و خروش، انہماک، استقلال، ہمت، بلند چال، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا، روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اسکی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی تھیں سب سے مقدم یہ تھی کہ مسلمانوں کی راستبازی اور دیانتداری تھی جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یہ مومک کے مومک کے مسلمان جب شام کے اصلاح سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے تو ریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ ہمارے جیسے ہی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی۔ اس لیے رومیوں نے مسلمانوں کا جو متاں بلکہ وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے

نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لیے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں، لیکن عام رعایا دہان بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لیے فتح کے بعد بقلے حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکم تھا۔ عراق میں نجی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسریٰ کو حلب کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگان نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکت را و چینگز و غیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں، لیکن کیونکہ قہر ظلم اور قتل عام کی بدولت چینگز کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکت در کی کیفیت ہے کہ جب اُس نے شام کی طرف شہرہ و فتح کیا تو چینگز نے آگے چل کر ایک موقع پر پہنچے اُن کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

سکندر وغیرہ کی
فتوحات کا موازنہ

دہان کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لوٹھی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اسطخر کو فتح کیا۔ تو تمام مردوں کو قتل کر دیا اسی طرح کی اور بھی بے رحمان اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقاء نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پا نہ ہوئیں۔ لیکن فوری فتوحات کے لیے اس قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لیے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز بخت نصر تیمور۔ تاور۔ جتھے بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی سر ہر قانوں انصاف سے تجاؤ نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بد عہدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ فانی قاتلوں کو فلا تعذر واوکلا تمشلوا ولا تقتلوا اولیئہ یعنی دشمن سے لڑائی کرین تو ان سے فریب نہ کرو کسی کی تاک

کان نہ کاٹو کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لیکر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب عربوں نے بیت المقدس متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے ہونہوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ آراضیات کا معاوضہ دیدیا اور شملاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ جلد سے ان لوگوں کا گزر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دیجائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں۔ ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس استیلا اس قید۔ اس پابندی اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چہ بھڑ میں بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے۔ انکی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہات آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں ایسا ہمتا ہر جگہ پھیلنے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو جب ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات، گزرنے والے زمانہ کی طرح

تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور ٹک گیا۔ ان لوگوں نے جو مالک فتح کیے وہ ان کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا، برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو مالک اس وقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

ایسر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چند ان تخصیص نہ تھی، اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کنفل تھی، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی سلمان تھے، لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اُٹھے شہہ برقی قوت ہیں لیکن یہ قوت اسی وقت کام دے سکتی ہے جب کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہوا قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں، واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چلکر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی تربیت فوجی مشقین، بارکون کی تعمیر گھوڑوں کی پرورش، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلمہ شکن آلات کا استعمال۔ یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کیے۔ اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ

فتوحات میں
حضرت عمرؓ کا
اختصاص

کر لیا کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود پہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب دینے سے روانہ ہوتی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیتا تھا۔ اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے، فوج، قادیسہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے۔ ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تایخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دوسرے تمام فوجوں کو لڑاتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔

ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک ننادند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہرجہ نقیب سوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی۔ اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جسزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ محصل پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا، اور دوسری طرف ایک کوہ گران کے پرچے اڑا دیے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب تک دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح اور کشور شان نہیں گذرا۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑی۔ لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا، یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا، اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لیے کافی ہو سکتا تھا، حضرت عمرؓ نے ایک طرف فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسرتے کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہیے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف

اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی
سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر ماہ الامیاز ہے وہ عوام کی غلط اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اُسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہی کہ منہ نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے،
(۲) چونکہ بجز چند عمدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا اس لیے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیر دن کے حقوق سے اس قدر مدد دی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔

چونکہ بحر چندار کان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا اس لیے قوم میں ذاتی اعتراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق مسدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لازم ہیں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے، اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری شخصی کی بحث ہو، اسکی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لیے عرب میں جو حکومت قائم ہوئی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں موجود تھیں نجدی، حمیری، غسانی، لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کیے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی۔ بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گوان کا انتخاب کثرتِ رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا فلا یفترون اصرءاً ان یقول انما کانت بیعتہ ابی بکس فلتنة وتمت الہوا نہاقد کانت کذا لکن اللہ ولی شرہا۔

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش ہر سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں قیس سے

کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و منسوع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں، سب وجود میں آگئیں۔ ان میں سب کے اصل الاصول مجلس شوریٰ کے انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منتہی ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے۔ جو کل قوم کے بیڑا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مہاجرین و انصار۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اس میں شامل تھے مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جمعہ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں

حضرت عمرؓ کی خلافت
میں مجلس شوریٰ
(کونسل)

مجلس شوریٰ کے ارکان
اور اس کے انعقاد
کا طریقہ

جا کر و رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب
امر پیش کیا جاتا۔

جلسہ شوری کے
جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن
جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے
اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار
کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات، فوج کی جاگیریں دیدیے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی
جس میں تمام قبائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے
سربراہ تمام قوم میں مست از تھے اور جن میں سے ہر شخص قبیلہ اور قبیلہ خزیج
کے تھے۔ شریک یہ پہنچے ہی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی
سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی اُس کے جسد
جسد فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور
خليفة وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انی لہ انزل عجمک الاکان لشکرکوا
فی اسانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کا حد کم۔ ولست اريد
ان تتبعوا هذا الذی ہوا ى۔

۲۱ھ میں جب نہاد کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سرور سامان
طیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس ہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت

۱۵ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۔ سے یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۱۱۲ و ۱۵۱ میں ہے۔

بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ، طلحہ بن عبد اللہؓ، زبیر بن العوامؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرتِ رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمرؓ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ۔ دفتری ترتیب۔ عمال کا تقرر۔ غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور اُن پر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات میں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد۔ اور اہلِ الراے کی مشورت۔ استخمان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں، ان کے خاص الفاظ یہ ہیں: لا خلافت الا بعن مشورۃ۔

ایک مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف ہماجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوحبات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربارِ خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمرؓ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اُس میں

لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیرہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويجدد ثوبهم عما ينقح اليه من اهل الافاق فقال يوم ما ادرى كيف اصنع بالمحسوس۔

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور میں مدخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن عفرت۔ بصرہ سے حجاج بن علاط۔ شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم واصلحهم والى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن عفرت وبعث اليه اهل الشام معن بن يزید و

م رعایا
مدخلت

بث الیہ اهل البصرۃ الحجاج بن علاط کا ہمسایہ قال فاستعمل کل واحد
منہم علی خراج ارضہ۔

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نو شیر دانی پائے تخت کے
فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی شرکایت
کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض
کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت
آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ ضلوع
سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد
ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے۔ اور دوسری
چاہی جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف مقبول پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک
کہ خاص اس کے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرانون میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان
سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل
عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

حکومت جمہوری کا پہلی زیور یہ ہے کہ پادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے
ساتھ برابر رہتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی میں سے

خلیفہ کا عام
حقوق میں سب
کے ساتھ سادی
ہونا۔

لے کتاب الخراج صفحہ ۶۴۔

ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اُس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے۔ اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انھوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کرویا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انھوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی۔ اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

اللہ انما اولمکم کو لی الیتم ان استغنیتم
استعفت وان افقرت اکل بالعرف
لکم علی ایہا الناس خصا فیخذونی
ایہا۔ لکم علی ان لا اجنبی شیئاً من
نخرجکم ولا مما افاء اللہ علیکم ولا
من وجہہ ولکم علی اذا وقع فی یدی
ان لا ینجھ منی الا فی حقہ ولکم علی
ان ان یدی فی اعطیاتکم واسد نفوسکم
ولکم علی ان لا القیم فی المہاللت۔

مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے
جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر تین دولت مند ہو گا
تو کچھ نہ لو گا۔ اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے
لو گا۔ صاحبزادے اور یتیم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھے
مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خرچ اور مال غنیمت بچا
طور سے نہ جمع کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ماتھ میں خرچ
اور غنیمت آئے تو بچا طور سے صرف نہ ہونے پائے ایک یہ
کہ میں تمہارے روزیہ بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ
رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اَللّٰهُ یَا عُمَرُ یعنی ”اے عمر خدا سے ڈر“ حاضرین میں سے ایک شخص نے اُس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مابین تو ہم“ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود و قسام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاویہ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو گفت و گو کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیت حکومت بنانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیزیں سب سے اہم تھیں یہ ہیں کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے متماثل اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجر تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے۔ کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے۔ اور دیگر ضروریات کے لیے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں۔ جو شخص

صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے۔ مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام رہتا ہے۔ جرائم کی تسمین وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جیسقہ تہذیب ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات اب تک ملے جڑے ہیں یعنی کلکٹر ضلع مالگزار ہی بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی صنایع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمرؓ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے۔ تاہم انھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جدا گانہ محکمے قائم کیے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور صنایع

عہدہ داران ملکی۔

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جنکو صوبہ ضلع۔ اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے اسکی ابتدا کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور

حضرت عمر کے
مقرر کردہ
صوبے

تناسب سے اسکے حدود قائم کیے۔ تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انھوں نے ممالک
مقبوضہ کو ۸ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ موثرخ
یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے
۳۰ھ میں کیا تھا۔ مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے۔
جس کی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی۔ اُس کے لحاظ
سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان۔ وغیرہ بھی
آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے
یا ضلع تھے اکثر جبکہ حضرت عمرؓ نے اُسی طرح رہتے دیے۔ اس لیے مورخین نے ان کا نام نہیں
لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کیے۔ ان کا ذکر ضرور تھا۔ اور وہ یہی ۸ تھے۔
لیکن یہ امر بھی ملحوظ الغلب صحیح ہے۔ ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کیے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور
اس میں ۱۰ ضلع شامل تھے۔ ۱۰ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن
لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا۔ اور دوسرے کارملہ
قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکم۔ وعلقمہ بن مجسر زکو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیے۔

سہ طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۶۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصار فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا ونصف مع
اہل الرملة دہم عشر کور فلسطین تعدل الثام کلمہ... و فرق فلسطین علی رجلین فنزل کل واحد منھما فی عکلمہ۔

مصر کی نسبت، ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اسکو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعیہ کہتے ہیں۔ اور جس میں ۲۸ ضلع شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور شیبی حصہ جس میں ۱۵ ضلع شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

دشیرہ افغانی عہد
کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیے تھے۔ اس لیے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مہر بخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرو رود۔ فاریاب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باوندیس۔ باورد۔ غرستان۔ طوس۔ سرخس۔ جرجان۔

آذربائیجان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ تیزون۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ ہماوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبدان۔ ہرجان۔ وندق۔ شہر زور۔ صامغان۔ آذربایجان۔

فارس۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصفہر۔ شیراز۔ نوبدجان۔

کازرون، فنا، دارابگرد، اردو شیرخرو، ساپور، اہواز، جندیسا پور، سوس، نمرتیری، مینا درتسر،

ایذج، رام ہرز،

صوبوں کے اف

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ کا
یعنی میرنشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میرنشی، صاحب اخراج یعنی کلکٹر،
صاحب احداث یعنی انسپریس، صاحب بیت المال، یعنی افسر خزانہ،
یعنی صدر الصدور و نصف، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر، والی عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ
بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف اخراجی، کاتب دیوان تھے۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس
خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا، پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا،
اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے
حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا، بحرین میں قدامتہ بن مظلون صاحب اخراج
تھے، اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے، والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا
تھا، اور اس کے ہمراہ خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے، عمار کو جب حضرت
عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دمشق معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دئے جن
میں ایک قرظ خورجی بھی تھے۔

لے طبری، ۲۶۲، ابن خلکان صفحہ ۲۵۳،

لے اسد الغابہ تذکرہ قرظ ۱۲،

میرنشی قابل اور تقریر اور تحریر میں کیا ہوتا تھا، ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکا
میرنشی زیاد بن ہمیمہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حسد ان رہ گئے
تھے اور عمرؓ بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام
عرب اس کے علم کے نیچے آجاتا،

اضلاع میں بھی عامل افسر خزانہ، اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے، اور یہ سب گورنر
صوبہ کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے، پرگنوں میں غالباً صرف
تخصیص دار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا،

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو بیڑ تھی ملکی عہدہ داروں کا
انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور
کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران
ملکی قابل، لائق، راست باز، اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے
ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب میں
جس نکتہ رسمی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں
ورق ملت کر بھی اسکی نظیر نہیں ملتی، اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی
طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی، یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی
تھی وہ اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے، اس کے ساتھ انھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں
سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے

حضرت عمرؓ کی
جوہر شناسی

انجام دینے کے لئے اس سے بڑھکر آدمی نہیں مل سکتا تھا، عرب میں چار شخص تھے جنکو
 دہاء العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، امیر
 معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تیسوں
 کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے، اور چونکہ یہ لوگ صاحبِ ادا بھی تھے اس لیے اس
 طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نکر نے پاسے، زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ
 سالہ نوجوان تھا اس لیے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا، لیکن اسکی قابلیت اور استعداد
 کی بنا پر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں، فنِ حرب میں عمرو
 سعدی کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا،
 حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نہان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا، لیکن
 نہان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صفیے کی انیسری نہ دینا، کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا
 ہے، عبداللہ بن الرقم ایک معزز صحابی تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے
 ایک جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن الرقم نے عرض
 کی کہ "میں" یہ لکھ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے، آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا،
 حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، ان کی قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر
 وغیرہ نے لکھا ہے یہ اشراں کے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو انکو مشیر
 مقرر کیا،

ہناؤند کی عظیم نشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے، تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فہمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے، عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور نہ بد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیت عام اور بعض مصطفیٰ کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے ان کو کوثر کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا، اور ان کے طرفدار دن کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزون نہ تھے، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جبکا استقصاء نہیں کیا جاسکتا، کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے، اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پر زون کو حکومت کی کُل مہم کیسے مناسب موقوفوں پر لگایا تھا،

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا؟" حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دیں گے، لیکن اس وقت ملکی انتظام میں جہرہ لیسنا نہ ہوا اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے

اسے کتاب انخراج صفحہ ۶۵، اصل عبارت یہ ہے، ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال

اذا لم تعینوا فی من یبذل فی الحزم

فرمایا کہ اسے عمرِ رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں، تو کس سے لوں؟ ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں نہیں قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہوں پائیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلسِ شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا، اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اوس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرریٰ اسی طریقے پر ہوا تھا، بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اسکو انتخاب کر کے بھیجو، چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے، عثمان بن فرقہ، من بن زید، حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے، چنانچہ ہم اس کی تفصیل اد پر لکھ آئے ہیں،

عمدہ داروں کے
مقرر کو ملنے
پے شورے

ایک وقت یہی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لیں پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اس طرح جس طرح آج کل کے مقدس و عظمیٰ کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دین اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو زمین ملتی ہیں اس سے انکو احتسار نہیں ہوتا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے، لیکن یہ امر تمدن اور

تنخواہ کا معاملہ

المسلمین حقوقہم ولا تضربہم قد لوہم مسلانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زد و کوب نہ کرو کہ وہ

ولا تضربوہم فقتلوہم ولا تغلقوا ذلیل ہوں، انکی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں، ان کے لیے

الابیاب دونہم فی اکل قویہم ضعیفہم اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھاجائیں

ولا تستاثروا علیہم فظلموہم۔ اُننے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہو۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے

اس کو فرمان تفری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے، جس سے

یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اسکی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے،

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا،

چھٹا ہوا اٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ

کھلا رکھے گا، یہ شرطیں اکثر پروانہ تفری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر

سنایا جاتا تھا،

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا

تھا اس کی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی، اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی

ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا، ایک دفعہ اکثر عامل اس بلا میں مبتلا ہوئے

لہ کتاب الخراج صفحہ ۷۷ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشہد علیہ دھطاً من الانصار۔

” تہ فوج البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عاملہ اذا

ولاہم ثم یقاسمہم ما شاد علی ذلک۔

عالموں میں جن
باتوں کا عہد
لیا جاتا تھا۔

عالموں کے
مال و اسباب
کی فہرست

خالد بن صق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر اُدھا اُدھا مال بٹایا اور بیت المال میں داخل کر دیا، اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں، اس میں ان عاملوں کے نام بھی تفصیل سے بتائے ہیں،

أبلغ أمير المؤمنين رسالة	فانت أمين الله في المال ولا هم
فلا تدعن أهل الرساتيق والقرى	يسبقون مال الله في الأدم الوفر
فارس إلى الحجاج فاعرف حسابيه	وارسل إلى جزيء وارسل إلى بشر
ولا تنسين النافعين كيلهم	ولا ابن غلاب من سراة بني نصر
وما عاصم منها بصغر عيابه	وذاك الذي في السوق مولى بني بد
وشبلا فسد المال وابن عمرش	فقد كان في أهل الرساتيق ذا دكر
لنؤوب إذا بنوا ونغزوا إذا غزوا	فاني لهم وفروا وسناو لى وفرا
إذا التاجل لدارى جاء بفنارة	من المسك راجح في مفارقة جحرى

تمام عامل کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے، حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کی کوئی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے، چنانچہ ذرا ذرا اسی شکایتیں پیش ہوتی تھیں،

لہ تاریخ طبری صفحہ ۲۱۸ میں ہے، وکان من سنة عمر سيرة ان ياخذ عماله بما افاته الحج في كل سنة لسيا

وليجرم بذلك عن الرعية وليكن لشكاة الرعية وقفا وغاية فيها فاجير البير ۱۲

زمانہ حج میں
تمام عاملوں
کی طبی

اور تحقیقات ہو کر اس کا تدارک کیا جاتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ ”صاحبو! اعمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اسلئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچہ ماریں یا تمہارا مال چھین لیں، بلکہ میں اُن کو اسلئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کر دتا کہ میں اس کا انتقام لوں؟“ عمرو بن العاصؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ ”اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اسکو سزا دیں گے؟“ حضرت عمرؓ نے کہا ”اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا، کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہوں گے۔“

ایک دفعہ حسب معمول تمام عامل حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور ۱۰۰ اکوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہین مجمع عام میں عامل کو نوکڑے لگائے، عمرو بن العاصؓ نے کہ ”یہ ہے جو کہہ کر کہا کہ یہ امر عام پر گراں ہو گا۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملازم سے انتقام نہ لوں،“ عمرو بن العاصؓ نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دوا شرفیان لیکر اپنے حق سے باز آؤں گے۔

وقتاً فوقتاً عامل کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اسکی تحقیقات کے لیے ایک خاص

عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاریؓ امور تھے یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے، تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمراہ رہے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ ایک محرم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے، ان وجہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جا کر جماع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے، ۲۱ھ میں سعد وقاصؓ انھیں نے قادیسیہ کی فوج کی سربراہی کی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تھی، ان کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر ہندو کے قریب آپہنچے تھے، مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں، عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد و جھجک سعد وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا، اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انھوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لیے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینہ میں آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود انکا اظہار لیا،

سلسلہ اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے، وہاں کان حضا العمال یام عمر کان عمرا، اذا شکی الیہ عامل ارسل محمد بن مسلمہ الیہ الحال وهو الذی ارسلہ عمر الی عامل لیراخذ شطر اصحابہ طبری میں مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عامل کی تحقیقات پر مامور تھے، ۲۱ھ میں پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۶۶۶ تا ۶۶۸ میں ہے، صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھ کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ میرٹھ ۱۱

لبض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لیے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ کمیشنز اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، لبض اوقات ابتدائاً عامل کو حدِ مشعر میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمرؓ نے مستنث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰؓ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی، الزامات یہ تھے کہ ابو موسیٰؓ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں، اُن کی ایک لونڈی عورت جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا ہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا اعام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی، کاروبار حکومت، زیا وین سمیٹھ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰؓ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے حضرت عمرؓ نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابلِ آدمی تھا اس لیے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیادہ کو مشیر کار بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰؓ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان سے جبین لگی،

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کیجاتی تھی خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا، سخت مواخذہ کیا جاتا تھا، جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا

کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کہ در اس کے دربار میں بارہنیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر! کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مہر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوالاؤ، محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باپ کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتار کر مکمل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ، عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ کو اس سے مار کیوں ہو، تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا، غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے،

حضرت سعد وقاص نے کونہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے دیکھا کئے،

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی
 افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ
 تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن
 نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں
 عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، ان کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہیگا،
 لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں
 میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی
 وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام
 ہیں، اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ
 اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصاح سے خالی نہ تھیں، مساواة اور عدم ترجیح جسکو آجکل کی اصطلاح
 میں سوشیالزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر
 قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ
 یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے، ورنہ امیر معاویہ، شام میں بیٹے
 سرد سامان سے رہتے تھے، اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے،
 شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ سرور انبیاء
 یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انھوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے
 سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا عرب و داب نہیں قائم رہ سکتا

تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا،

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی جھین، یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں، جبکی وجہ سے رشوت اور غبن، ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزان اور روپیہ گران تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں، صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی،

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پدزے اختیار کئے تھے،

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	دالی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو امیہ میں اسے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں
عمر بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرت کے مامون تھے

۱۔ استیباب قاضی ابن عبد البر اور ازالۃ التحاو جلد دوم صفحہ ۱۷۱،

نام	مقام و مورث	عہدہ	کیفیت
عتبہ بن نضوان	بصرہ	والی	ہاجرین میں سے ہیں، بصرہ انہی نے آباد کر دیا،
ابو موسیٰ اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں،
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا،
نافع بن عبد الحارث	"	"	فضلاء صحابہ میں سے ہیں،
خالد بن العاص	"	"	ابوہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے،
عثمان بن ابی العاص	طائف	"	آنحضرتؐ کے بعد جب تدا و پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے لکھا،
یعلیٰ بن امیہ	یمن	"	صحابین سے تھے اور یمن میں شہرت عام رکھتے تھے
علاء بن الحضرمی	"	"	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا،
نعمان	مدائن	حبشہ کا امیر	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کشتربند	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے،
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا،
عمر بن سعد	حمص	"	حضرت عمرؓ انکی نہایت عزت کرتے تھے،
حذیفہ بن الیمان	مدائن	"	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے،
نافع بن عبد الحارث	"	"	بڑے خاندان کے آدمی تھے،
خالد بن حرث ہمالی	اصفہان	افسر خزانہ	
سہق بن جندب	سوق الایہون	"	اکابر صحابہ میں ہیں،

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
نہان بن عدی	میسان		صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا،
عوف بن ہرثمہ	موصل	کثیر لکڑی	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی،

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا نظم و نسق، عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تلج و تخت کے مالک ہوئے جنھوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا، اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اسلئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے، جناب رسول اللہ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور ثنائی پر معاملہ ہو گیا، اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی،

راج کا طریقہ
رب میں حضرت
عمرؓ نے ایجاد کیا۔

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا، یعنی مسلمہ میں ادھر عراق، عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی، اس مرحلے میں پہلی پیشکش

آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کیے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی مسیح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہؓ میں سے عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہنر بان تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس قدر کہہ کر کہ حضرت عمرؓ نے وق ہو کر: -
 اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِإِسْلَامِي لَعْنَةَ الْكُفْرِ وَبِإِسْلَامِي لَعْنَةَ الْكُفْرِ وَبِإِسْلَامِي لَعْنَةَ الْكُفْرِ
 کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ، فوج کو تقسیم کر دیے جائیں تو آئندہ افواج کی طیار سے طیار حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے
 عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ "جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے اُنہی سے اور
 بھی حق ہے۔ آئندہ نسلین مفت کیونکر پاسکتی ہیں" چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ بہرہ ورانہ اور
 تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا اسی لیے ایک عام اجلاس ہو جس میں تمام
 قدامتہا جرین۔ اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار،
 وکیل کے طور پر شریک ہوتے۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت

عراق کا کتبہ

عمر بنی راسے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لیے نص قاطع تھی یعنی لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِینَ اُخْرِجُوا مِنْ دِیَارِهِمْ وَامْعَالِہِمْ اِلٰہُ اس آیت کے اخیر فقرے رَالَّذِیْنَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِہُمْ سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے۔ لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ ”جے شہرہ آپ کی راسے بالکل صحیح ہے۔“ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول اُس گویا کہ جو ممالک فتح کیے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار آفانہ ملے۔ اور پچھلے قابضین کو بیہ دخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد اچھا جاسنے نے ممالک مفتوحہ کے بند و بست پر توجہ کی۔

حضرت عمرؓ
استدلال
فرمایا۔

اُن کی عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب سب سو بہن گیا تھا۔ سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا عہدیت کے انتظام میں دہان کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ اور اکثر حالتوں میں کسی دست در اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مالگزارنی کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزدور پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیروان تک تین لگان

مین یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پروردگار نے اُس پر اضافہ کیا اور بزرگد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساقہ سے واقف ہونا ضروری تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اُس وقت تک رائج نہ تھے۔ اس لیے فی الجملہ وقت پیش آئی۔ آخر دوشخص انتخاب کیے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے طیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا۔ کل رقبہ طول میں ۳۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ یعنی کل ۸۴۰۰ میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ۔ صحرا۔ اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر آتشکدوں کے اوقات۔ لاوارثوں۔ مصروفوں۔ اور باغیوں کی جائداد۔ وہ زمینیں جو سڑکوں کی طیاری اور درستی۔ اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں۔ دیا براؤن جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ مستعار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد

لے کتاب الادبیل ذکر اہل من غیر سنۃ ساسان۔ و ذکر اہل من وضع الخراج۔

افسران ہندوستان

عراق کا کل رقبہ

سالانہ ستر لاکھ تھی۔ رفاه عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی
کوٹیشنوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی۔ تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ
جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو
دے دی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

گیون	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۲ درہم سال
جو	"	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
روٹی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	"
تل	"	۸ درہم سال
ترکاری	"	۳ درہم سال

لگان کی شرح

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔
یعنی گیون پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے۔ افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل
زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ
لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے ہتھم مختلف لیاقت کے تھے اس لیے تشخیص جمع میں بھی
فرق رہتا تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی۔ اُس سے زیادہ مالکان آراضی کے لیے چھوڑ دیا

زاق کا خراج

گیا۔ حضرت عمرؓ کو ذوقی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دو دنوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمانؓ نے کہا ”نہیں۔ بلکہ ابھی اسقدر اور گنجائش ہے۔“

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جنکو ایرانی زبان میں مر زبان، اور وہ تھان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نو شیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زیادہ تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اور دفعۃً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال، خراج کی مدت آٹھ کروڑ سے۔ دس کروڑ میں ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہا سال بعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس لاکھ اور معتد اشخاص کو فہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزار کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا۔ لیکن

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۵ تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۱، ۱۷۲ کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمل الخطاب کان یجی العراقل سنة مائة الف الف اوقية ثم یخرج الیه عشرة من اهل الکوفة وعشرة من اهل البصرة یشهدون اربع شهادات باللہ انہ من طیب، ما فیہ ظلم مسلم ولا معاهد۔ ۱۲

زمیندار اور
تعلقہ دار

پیداوار اور آمدنی
میں ترقی۔

ہر سال مالگزار کی
نسبت رعایا کا
اظہار کیا جاتا۔

جس قدر مالگزار ہی اُن کے عہد میں وصول ہوئی۔ زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "حجاج پر خدا لعنت کرے، کبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مالگزاری۔ اگر وہ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی زیادہ نہ کرے۔ اگر وہ ۱۰ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔"

مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۴ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے انکو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی، یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں۔ شام کا رومی میں۔ مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی۔ یونانی۔ اور قبطی ملازم تھے بے سبب بحال رہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اُسکی اصلاح کر دی، چنانچہ اُسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، ثالمونیر (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام آرہنی کی پیمائش کرائی تھی اور شخص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے۔

لے معجم البلدان ذکر سواد۔

حضرت عمر کے
زمانے میں چند
خراج وصول ہوا
زمانہ مابعد میں
کبھی نہیں ہوا

۸

خراج کا دفتر
فارسی اور رومی
زبان میں تھا

۸

مصر میں خراج
کے زمانے کے
قواعد و مآثر

- (۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔
(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔
(۳) بند و بست چار سالہ ہو۔

رومیوں کا
اعلانہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محبوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیے۔ یورپ

حضرت عمرؓ نے
قدیم طریقے
کی اصلاح
کی

کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی لیکن یہ وہی غلہ تھا جو حصر جرجس سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے مستخرج البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو

سلاوینسکی *avan Berachom* نے ایک نئی زبان میں مسلمانوں کے قانون و مآثر کی ایک ہی جگہ
یہ کتاب لکھی ہے۔ اس کے چھاپے ہوئے کتاب کے حوالے ہیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے۔
La Propriete Territoriale et L'impôt foncier sous les Premiers Califes
۲۱۶ قریب قریب

حرمین کے لیے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلہ کے کھٹوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے مالگزاروں کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دو دنوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریا کے نیل کی طغیانی ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مابین نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اس لیے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مزار کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے اٹکا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگزاروں کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاروں کی قسطن کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس، اور زمیندار، اور عرفات طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ضلع اور ہر پرگنہ کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینہ رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر گاون پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور حماموں کے

لے مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹۔

مصر میں اصل
مالگزاروں کا
طریقہ

مصارف اور مسلمانوں کی ہمائی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع
مستخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گائون پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گائون
کے پیشہ ورون سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن
مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا۔ اور مصر میں یہ طریقہ
مختوری سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بہ تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اربوب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھ دیا
گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا،
اس کی نصف ادایک کروڑ میں لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کروڑ لاکھ روپے ہوتے
ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔
ابو جہل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق
ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ معتزیزی نے لکھا ہے کہ جب
عمر بن العاص نے پہلی سال ایک کروڑ دینار وصول کیے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے
کہ مہ و قس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کیے تھے۔ عمر بن العاص سے باز پرس کی
علامہ مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷۔ علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی
ایسی تصدیق ہوتی ہے۔

مصر کا کل خراج

یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں چہرے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے عمرو بن العاص کی یہ قسم اگر جزیہ یعنی مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہان سراج کی حیثیت سے اسلام کے باقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے عہد میں جہان سراج کی مقدار جہان تک پہنچی، مابعدین کبھی اس حد تک نہ پہنچی۔ ہوا میں اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی، پتہ پڑا کہ زمین ان پچھریں تھوڑے لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کیے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے غنیمت عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”دہان! لیکن بچ بھوکا رہا“۔ اسی سبب سے یہ زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ اُن کے عہد میں مصر کے خرچ کی تعداد ۶۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دو گنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

مکافاج بنو امیہ
در عباسیہ کے
زمانے میں۔

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے

شام

۱۔ دیکھو مقریزی صفحہ ۹۔ جلد اول۔ ۲۔ معجم البلدان ذکر مصر۔

۳۔ ابن حوقل ذکر مصر۔

تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیے تھے۔ اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مستر کیے۔
تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اسکی کل تعداد ایک کروڑ، ہم لاکھ دینار یعنی ۱۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا وغیرہ کے بندوبست اور تخصیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کین کین کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے۔ تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو بات نہیں لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلات سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لیے ہم بھی اسکی چند ان پر دانہیں کرتے۔

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں۔ اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں جس سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی

قانون گذاری
میں حضرت عمرؓ
کی اصلاحات

لے دیکھو پروفیسر رچم فرانسسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگاری پر۔

دفعہ نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا۔ اور بالکل جاہلانہ تھا ہٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دیدین۔ کچھ شاہی جاگیر قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے۔ اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اُس سے متنع ہونے کے لیے رومی زمینداروں سے اعانت لینے پڑتی تھی۔ ارس بہانے سے زمیندار خود اُس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا۔ کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ۔ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے۔ اور جو رہ گئے اُن کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اُن تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اُس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جائیں قاعدہ بنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے

یعنی مالکانِ ارضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مولیٰ تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن ابیہ، نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ ”لوگوں کے روزیئے محترم کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔“ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اور دن کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جسکی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مغتوجین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے۔ عرب کے خانہ بدوش بدوان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی

فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قطی کا شتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی۔ دمشق، اور حصین، عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر بپناہ کے دروازے بند کر دیے۔ اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم تمہاری حکومت کو بقاء بلے رجم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی۔ یعنی ان کو زراعت اور فلاحیت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام دہی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری ہمدانی جھاکشی بہت۔ عزم۔ اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے جس دن انھوں نے زمین کو ہاتھ لگایا اسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت ہو گئے۔

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے بتایا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پاری یا عیسائی تھے ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے۔ اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور کیوں کو ہمارے پاس بھیجیوں گے ساتھ متزحم بھی ہوں۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

دبست ماگزوری
ماذیموں سے
لے لینا۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر دستخط ہوئی تو ایک واقف کا قبطی نے نین طلب کیا اور اس کا اظہار کیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جس کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی و زراعت
بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکلائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت زیادہ ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لیے استیلا دیہ یا گرواں بنائے گئے۔ اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اگر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دستس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔ تمام ممالک مفتوحہ

محکمہ آبپاشی

میں نہرین جاری لیکن۔ اور بند باندھنے۔ تالاب طیار کرانے۔ پانی کے تقسیم کرنے کے دبانے بنائے۔ نہروں کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقررزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ مین ہزار فرد در روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ خوزستان، اور اہواز کے اضلاع میں جو بن مسعود نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہرین کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہرین طیار ہوئیں۔ جبکہ پتہ جسے تاربخون میں ملتا ہے۔

خرابی اور عسری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عسری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عسری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے۔

(۱) عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی۔ مثلاً وہ لاوارث مرگیا، یا مفور ہو گیا۔ یا بغاوت کی۔ یا استعفا دیدیا۔

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

لہ مقررزی صفحہ ۶، جلد اول۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مدین و اصل تھا، اس لیے ان زمینوں پر بجائے خرچ کے زکوٰۃ مسترد تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اگر وہ۔ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں۔ تو ان پر خرچ مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں، عبد اللہ بن مسعودؓ و جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں۔ اور ان سے خرچ لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان نئی نہریاں یا کنوؤں کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو ہر رعایہ عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد زمینیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔ مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ۔ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی۔ اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خرچ میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا، اس کے علاوہ

خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیوں

خراج عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے، وہ حرب ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشور۔ جسنیر۔

مال غنیمت کا جنس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بغیر بکری۔ اونٹ۔ سبھی پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد

گھوڑ پر زکوٰۃ

میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مستتر رہی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے

تھے، اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔

اس لیے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی مدین یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔ عشور خاص حضرت عمرؓ

عشور

کی ایجاد ہے جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیبر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے۔ ان سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صدی دس روپیہ مکس

لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ

نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے
 پہنچ کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت
 عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمسایہ کو مشرک کر کے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے
 کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری
 کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی عربوں سے فی صدی ۱۰۔ ذمیوں سے ۵۔ مسلمانوں سے
 ڈھائی لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے اس کا ایک
 خاص حکم قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا
 تھا اور اس کی آمد ہر آدمی کے معیار سال بھر تھی، یعنی تاجر ایک سال جہان جہان چاہے مال لے جائے
 اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ
 نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر
 لیا جائے، یعنی کسی کی اسباب تلاش نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

۴۔ عہدِ عدالت

تکلیف آفا

یہ عہد بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تہذیب کا پہلا وسیع پیمانہ ہے
 کہ سینہ عدالت، انتظامی صیفے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہان جہان حکومت
 و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدتوں کے بعد ان دونوں مینوں میں تفسیریں ہوئی
 لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیفے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ

کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا۔ ہر صیغے کا اجرا و تعب و داسب کا خارج رہتا ہے۔ اس لیے فصل قضا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا، جس کو فصل قضا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے بلکہ اسی بنا پر عبد اللہ بن مسعود کو فصل قضا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اصداغ میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے۔ اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعریؓ کو زکوٰۃ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کیے جاتے ہیں۔ اور جنکی نسبت

۱۔ اخبار القضاۃ لمحید بن خلف الکعبی۔

۲۔ اس فرمان کو علامہ ابوالحسن شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بہیقی دماوردی و جاحظ ابن عبد البر اور بہت سے محدثین و مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

۳۔ ۱۱۰۰ قبل مسیح رومن امپائر نے یونان میں سرفرایض کو دہان قانون کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۱۰۰ قبل مسیح کے لیے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سرفرایض گئے اور دہان سے واپس آکر ایک دستور العمل طیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ قواعد تھے۔ یہ تمام قواعد سید کی تختی پر کندہ کیے گئے اور ہر ایک رومن امپائر کا یہی شاہی

سیسرو۔ روم کا مشہور کچہ ارکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھکر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

روحن اسپائر
کے قواعد عدالت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) قانون رہا۔ اس میں عینہ قضائے متعلق جو احکام تھے وہ جب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ نکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو۔ ورنہ اس پر حاضری کے لیے جبر نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) مدعا علیہ ضمانت پیش کرے تو تم اسکو چھوڑ دو۔

(۶) دو قسٹ کا ضمانت دو قسٹ نہ ہونا چاہیے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۸) جج مجھ سے دوپہر تک مقدمہ سنے گا۔

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالثہ پیش کرنا چاہیں تو ان کو نہ امن دینا چاہیے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعویٰ کو پکار کر کے۔

یہ قواعد ہیں جسکو یاد کر کے یورپ۔ روحن اسپائر پر تازہ کرنا ہے۔

قواعد عدالت
سے متعلق حضرت
مرکی تحریر

حضرت عثم کا فرمان بعبارتہما ذیل میں درج ہے۔

خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو
اپنے ضمن میں، اپنے مجلس میں، اپنے انصاف میں، باہر رکھو
تا کہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ اور روادار کو تمھاری
رُورعایت کی امید نہ پیدا ہو جو شخص دعوے کرے اُس پر
باز ثبوت ہے۔ اور جو شخص سکر ہو اُس پر قسم صلح جائز
ہے۔ بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال حرام
نہ ہونے پائے۔ بل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس
رجوع کر سکتے ہو جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث
میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُسکی
مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو۔ پھر قیاس لگاؤ
جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد
مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ
مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثناء سُن
اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درجے لگائے
گئے ہوں۔ یا جنھوں نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ یا دلا اور
دراشت میں مشکوک ہوں۔

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة
متبعة اس بين الناس في وجهك و
بجسالت و عدالت حتى لا يائس الضعيف
من عدالت ولا يطمع الشريف في خيفك
البنية على من ادعى واليمين على من انكر
والصلح جائز الا صلبا احل حراما او حرم
حلالا لا يمتنع قضاء قضية بلا مس
فر اجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق
الفهم الفهم فيما يختلف في صدرك مما
لعميل في الكتاب والسنة واعرف الامثال
والاشياء ثم قس الامور عند ذلك و
اجعل لمن ادعى بينة امدان ينقي اليه
فان احضر بينة اخذت له بحقه والا
وجعت القضاء عليه والمسلمون عدل
بعضهم على بعض الا جلقوا في حد او مجرما
في شهادة زور او ظنينا في ولاء او راثه

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتِ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) باریثوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لیجائی گئی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلافِ قانون ہو تب صلح نہیں ہو سکتی ہو۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ مبین ہونی چاہیے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ کی طرف فیصلہ کیا جائے گا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت

ہو وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغہ قضا کی عہدگی یعنی فیصلہ خصوصیات میں پورا عدل و انصاف تین باتوں پر موقوف

ہے۔

(۱) عہدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل

خصوصیات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضا کی تعداد کا کافی ہونا۔ تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج

نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون **قرآن مجید** موجود تھا، البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے **فتاویٰ** کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شیعہ کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں **اول** **قرآن مجید** کے مطابق فیصلہ کرو۔ **قرآن** میں وہ صورت مذکور نہ ہو۔ تو حدیث، اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو شکل اور ہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے

لے کنز العمال صفحہ ۴۷۲ جلد ۲۔ سند دارمی میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اسکی اصل عبارت یہ ہے۔ عن شریحان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیء فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بها فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولو لکیں فی سنۃ رسول اللہ ولو تکلم فیہ احد قبلک فاخترای الا امرین شیئت۔ ان شیئت ان تجتہد براءیک ثم تقدم فقطدم وان شیئت تتلخ فتاخرا ولا امری التاخرا
الاخیر ثلاث۔

تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاویٰ مذکور ہیں۔

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابتؓ تھے۔ جو رسول اللہ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہیں۔ بلطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے۔ جو خجستہ ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام مستران حفظ کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اہل سفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عثمانؓ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔

لے اخبار القضاۃ میں ہے۔ ان عمرا استعمل زید اعلیٰ القضاۃ و فرضی لہ دہراً۔

لے دیکھو اسد الغابۃ فی احوال الصحابہ۔ واستیعاب قاضی ابن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

لے استیعاب قاضی عبد البر۔

قضاۃ کا
انتخاب

کوٹہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے۔ جز کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد سلسلہ میں قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا جمیل بن مسعود الجعفی۔ ابو مریم الحنفی، سلمان بن ربیعہ الباہلی۔ عبدالرحمن بن ربیعہ۔ ابوقرة الکندی۔ عمران بن الحصین جو حضرت عمرؓ کے زمانے کے قضاۃ ہیں۔ ان کی عظمت و جلالت۔ شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لیے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمرؓ سپر کنٹنہ میں نہ کرتے تھے۔ بلکہ اکثر علی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خرید اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شیخ ثالث مقرر کئے گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے

شہرت عمر کے
نے کے
م عدالت

قضا کا امتحان
سے مقرر
ہونا

اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے۔ اور اسی وقت شریح کو کوئٹہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور لا زدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔

نامائز مسائل آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

(۱) تنخواہین پیش مستر اور مقرر کیں۔ کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً مسلمان زبیتہ اور قاضی شریح کی تنخواہ بان بان سو ہر مہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۲) قاعدہ مستر کیا کہ جو شخص دو لکھت اور معزز نہ ہو قاضی مستر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوئٹہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ ”دو لکھت رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔“

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدقون کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و ذلیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں

انصاف میں مساوات

۱۔ کتاب الادب، الباب السابع ذکر القضاۃ۔ ۲۔ نسخ القدیر حاشیہ ۱۶، جلد ۲ صفحہ ۲۴۷۔

۳۔ اخبار القضاۃ لعمربن خلف الکعب۔

فریق مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تنظیمی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ لکھ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے اُن کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف واری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور مرد و نون برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کیے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے عہدِ خلافت میں بلکہ نواسیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردتہ تھے۔ (یہ نواسیہ کے زمانے میں تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی، کیونکہ کوئی صنف قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطورِ غرہ فیصل کر لیا کریں۔ اس لیے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بنا پر ہر صنف میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

آبادی کے لحاظ سے
قضاۃ کی تعداد
کا کافی ہونا۔

ماہرین فن کی
شہادت -

صیغہ قصہ اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں
ایجا دیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا۔ ان میں ایک ماہرین
فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں خاص اس فن
کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حطیبہ نے زبیر بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا
جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ زبیر بن ثابت نے حضرت عمرؓ کے ہاں
مقدمہ رجوع کیا۔ چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز
اور عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے
شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ و شبہ کی صورت
میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے
مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصوصیات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے
لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں
پڑ سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزان اور آسان
ہونا تھا۔ آج کل مذہب ملکوں نے انصاف اور داری کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ ادواہوں
کو دعوے سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول
اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت
نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی

عدالت کا
مکانات

کہ عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعلیم اور اجازت عام تھی وہ اُدسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور بہتذل شخص صدمہ کا مہربن بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

افشا

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثال، اسلام کے سوا اور کین پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مستدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اسکا

ایک خاص حکمہ تھا جو کانا نام حکمہ افاتھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لایق قانون دان
یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے۔ اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے
دریافت کر سکتا تھا۔ ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس
صورت میں گو یا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا، اور
اس سے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ
طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں
جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔
اس طریقے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو، بلکہ خاص خاص
فائل لوگ افاتہ کے لیے نامزد کر دیے جائیں، تاکہ ہر کس دن اس مسئلہ کی ترویج نہ کر سکے
حضرت عمرؓ نے اس تہیص کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انھوں نے افاتہ کی اجازت دی
مثلاً حضرت عثمانؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ معاویہؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن
حارثہؓ، ابو ہریرہؓ۔ اور ابو وراڈ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز
نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخٹائین لکھتے ہیں ”سابق وعظ و فتوے موقوف ہو، بر
ر اسے خلیفہ بدولت امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر اسے خلیفہ
وعظ نمی گفتند و فتوے نمی دادند“ تاریخین میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو
فتوے کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دیے۔ تو حضرت عمرؓ نے انکو منع کر دیا۔ چنانچہ

حضرت عمرؓ کے زمانے
کے مفتی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوے دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا مرحلہ اس طریقے کے لیے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھکر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بقیام جا بیٹے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ایسا ومن اراد
ان یسال الفرائض فلیات ذیذا ومن
اراد ان یسال عن الفقه فلیات معاذ
یعنی جو شخص قرآن دیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور
فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس۔ اور فقہ
کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لیے حضرت عمرؓ نے کوئی جدوجہد نہیں قائم کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقت۔ قصاص کے بارے میں فیصل ہوتے تھے۔ اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا صیغہ مستعمل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام **اُحْدَاث** تھا۔ چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث

کہتے تھے بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو مہر کر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالکداری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائین۔ کوئی شخص شرک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاداجائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا، اور اس کے لیے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدشہ بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہان بن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لیے عبداللہ بن عتبہؓ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ جیلانی کی ایجاد کا یہ فعل عمدہ احتساب کا اخذ ہے۔

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیلانی نے بنوائے۔ ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلانی کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اول مکہ منظمہ میں صفوان بن امیہؓ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیلانی نہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیلانی نے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلانی نہ نرسل سے بنا تھا۔ اُس وقت تک صرف جرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے۔ لیکن در خلافت کے بعد قاضی شریح دیونون کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلانی نے میں بھجواتے تھے۔

جیلانہ تعمیر کرنے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابوحنن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے۔ تاخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابوحنن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیجا دیا تھا۔

جلاوطنی کی
سزا۔

بیت المال (یا خزانہ)

یہ عینہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آن حضرت صلعم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحسبین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۱ اور ہم اور دوسرے سال ۲۰-۲۱ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاولیٰ اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اس وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اسکی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرن کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام

۱۵ھ اسد الغابہ ذکر ابوحنن ثقفی۔

بیت المال
نام تھا۔

بیت المال کس نے
قائم ہوا

میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرن سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے۔ حضرت علیؓ نے اسے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف اسے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطینِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آجکل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافۃ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی۔ عبد اللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کیے جن میں سے عبد الرحمان بن عسید القارمؓ اور عقیب بھی تھے عقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہؐ کے انگشتی برادر تھے۔ اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دار الخلافۃ کے علاوہ تمام صوبجات اور صد مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ دہان کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے مثلاً اصمغان میں خالد بن حریثؓ

لے فتوح البلدان از صفحہ ۴۸ تا ۵۱۔ لے کتب رجال میں عقیب کا تذکرہ دیکھو،

اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شکاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لیے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزہ ایک مشہور جو سی معمار نے بنایا تھا اور جب کام صاف خسرانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اُسین نقیب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد وقاصؓ کے حکم سے روزہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلا ذریعے لکھا ہے کہ جب طلحہؓ وزیر حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیاحج کے ہم سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے۔ اور انھوں نے طلحہؓ وزیرؓ کے ارادے کی مخالفت کی۔ سیاحج کی نسبت اسی موقع نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰؓ نے انکو بصرہ میں آباد کر دیا۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد یہ تمام تفصیل تاریخ جبری ذکر آبادی کوفہ میں ہجرت فتح البلدان از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶۔

بیت المال کی عمارتیں

صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ چنانچہ اُس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکید و احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔ مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے۔ خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اُنکی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

جو رقم دار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

سیک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصدق نام میں اس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہرین۔ سرٹکین۔ پل۔ شفا خانے حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفا خانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور عربی چیزیں ہیں سب موجود تھیں۔ اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہرین طیار کر ایمین انکا مختصر حال

لے عربین الناس گرز مصر کو جزدان لکھا تھا ایمین یہ الفاظ تھے فاذا حصل الیث جمعہ واخوت عطاء المسلمین وما یتحتاج

الیہ ممالکہ منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الی ذکر اعمال جوال ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۶۳

ہم صیغہ محصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں اُن نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہربا موسیٰ۔ یہ نہرویل کی لمبی تھی جسکی طیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انھوں نے نہایت پر اثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی بیل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لیے نہر کھدوا دی جائے چنانچہ وجہ سے ویل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جسکے ذریعہ سے گھر گریبان کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی میں نیشل مشہور ہے اذا جاء نصر الله

حضرت عمرؓ
جو نہرین
طیار کرایئین

نہر معقل

بطل نصر معقل، یہ نہر بھی وجہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ اور چونکہ اسکی طیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیے اُنھنی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد۔ اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی

نہر سعد

اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاصؓ (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعدؓ نے سعد

بن عمر کو مامور کیا۔ انھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر ایک پہاڑ نیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر

لے فتح البلدان صفحہ ۳۵۶ و ۳۵۷ میں اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے جغرافیہ بتاری میں بھی اسکا ذکر ہے۔

بقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سندھ ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے، اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۱ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام ضلع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور نلج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لیے غلہ کے بھیجنے میں کچھ بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے ان وقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ میں حاضر ہو۔ جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریا نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرائی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آمد وقت سے خالی نہیں عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر طیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چلکر قلزم میں آتے تھے۔ اور یہاں سے جہاز ہینچکر لنگر کرتے تھے۔ جو مدینہ منورہ کا بندر گاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۹۹ میل لمبی تھی۔ اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بنکر طیار ہو گئی۔ چنانچہ پہلی ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار روپہ غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندر گاہ میں آئے۔ یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمرو بن عبد العزیز کے بعد عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب التماس

ایک اگر بالکل بند ہو گئی۔ سنیہ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہان سے بحر روم و بحر قلزم میں منہ میل کا فاصلہ پہنچاتا ہے۔ نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو جب اُن کے ارادے سے اطلاع ہوئی۔ تو ناراضا مندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں اگر جہیز نکلاڑا لیا جائے گا۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوئز کی ایجاد کا فخر حقیقت عرب کے حصے میں آتا۔ عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

(۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اُس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

(۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں، باریکیں۔ ان کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئے گا۔

(۳) ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن انکی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دار الامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے۔ اور جہاں انکا

رہنے کے لیے جو عمارتیں
یا کرائیں،

لے تفصیل حسن الحافظہ ص ۹۳ صفحہ ۹۴ و مقرنی جلد اول صفحہ ۱۰۷ و جلد دوم صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۰ میں ہے۔

لے تقویم البلد ان ابوالفدا ص ۱۰۶۔

دفر رہتا تھا۔ کوثر و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال بطری و بلاذری نے کسی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

(۲) دیوان - یعنی جہان دفر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دستر بھی اسی مکان دفر میں رہتا تھا۔

(۳) بیت المال - یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور محکم ہوتی تھی۔ کوثر کے بیت المال خزانہ کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

(۴) قید خانے - مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا بصرہ قید خانے میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

(۵) مہمان خانے - یہ مکانات اس لیے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے۔ وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوثر میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمان یتخذ لمن یورد من الافاق اسراً فکانوا ینزلونہا۔ مدینہ منورہ کا مہمان خانہ مسلمانین میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا ہو، لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت محمد

کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اہلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور محکم ہوتی تھیں۔

سٹرکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سٹرک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ و خلائق تھا لیکن اسکے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ نے میں جب مکہ معظمہ گئے۔ تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سراین اور چشمے طیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب

لہ فتوح البلدان وغیرہ ۱۰۷۷ء کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہو علی ان علیہما سرشاد الفضال و بناء القل

علی الانصار من اموالہم تاریخ بطری و اوقات ۱۱ صفحہ ۴۰ میں سٹرک اور پل و نون کا ذکر ہے بطری صفحہ ۲۹ و ۳۰ و بلاد

ادارۃ الخمار میں لکھتے ہیں ”اذان جہد اٹکھ سارے بقصد عمرہ بہ کہ محترمہ توجہ فرمودہ نزدیک مراجعت
امر فرمودتا در منازل کے مابین حرمین واقع اندسایہا و پناہما سازند و ہر جا ہی کہ اپناشتہ شدہ باشد
آن را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہما را کنند تا بر حجاج با ستراحت تمام قطع
مراہل میسر شود“

شہرون کا آباد کرنا،

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو
خطوبتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے
ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی بخوی بنیاد میں پڑی۔
تحتو کے اصلی دارالعلوم ہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد
کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا
ناموزون نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے
مسلمین رہنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عقبہ بن نضال کو متعین کیا کہ بندر گاہ ابلہ کے
قریب جہان بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر
کرتے تھے ایک شہر بسائیں۔ زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتایا تھا، عقبہ آٹھ سو آدمیوں
کے ساتھ روانہ ہوئے اور خرمین میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کھدست
میدان پڑا ہوا تھا۔ اور چونکہ زمین لنگر تلی تھی اور اس پاس پانی اور چارہ کا سامان

تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عقبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور بھوس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہان جہان جس قبیلہ کو اتارنا مناسب ہوتا رہا۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ متنازع تھا۔ شاہ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن قنص نے جو اس وقت کوذ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پہلک ورک کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے

لے بصرہ کی وجہ سے عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پھری زمین کو کہتے ہیں۔ اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک جوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہوا وہ زیادہ ترین قیاس جو اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظیں راہ تھا جس کے معنی فارسی میں "بہت سے راستوں" کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں ایسے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ انکی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس پاس شانہ ان عرب نے جو عمارتیں طیار کر آئیں تھیں ان کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے۔ مثلاً خورنوق جو دراصل خورنگاہ ہو۔ اور میدان جو دراصل میدان ہے۔

زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جسکے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار، اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی۔ دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے۔ اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیلوویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو بڑی و بکری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص ایسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ یہاں کی زمین ریتی اور کس کر لی تھی۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پائے تخت ہی مقام تھا۔ اور انکی مشہور عمارتیں خورنق اور سیدر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو حُذُ العذراء یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً قحوان۔ شقایق۔ قیصوم۔ خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض

۱۷ھ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیلج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰-۴۰ مات اور اس سے گھٹ کر ۳۰-۳۰ مات اور ۲۰-۲۰ مات چوڑی رکھی جائیں۔ اور گلیاں ۷-۷ مات چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چوتراہ دس کربنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے اسکے ہر چار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارین اول گھانس پھنس کی بیندیں جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں طیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دوسو مات لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نو شیردانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نو شیردانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ جو سی رعایا کو ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی انکی تحننی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں جبراً کی گئی۔ مسجد سے دوسو مات کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جہاں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزیہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزیہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لیے روزیہ مقرر کر دیا جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لیے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کیے گئے ان میں بن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ نیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع۔

وسدہ۔ ازد۔ قرینہ۔ تیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالہ۔ جدیلہ و اخلاط۔ جہینہ۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس اسلام فرماتے تھے۔ اور حقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعدین اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۳۶۴ء میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۴ ہزار گھرانے کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثار کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے ابن بطوطہ

جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ابوان حکومت بنایا تھا اسکی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی یعنی ابو الاسود دہلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی، حماد۔ امام ابو حنیفہ۔ امام شعبی یا دگار زمانہ تھے۔

فسطاط

فسطاط۔ عمر بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمر بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دوبار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسردہ کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جاوے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے۔ چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لیے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔ عمر بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر شمع میں آئے۔ یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا۔ جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے۔ اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے سہ کوفہ بصرہ کے حالات طبری۔ بلاذری اور معجم البلدان سے لیے گئے ہیں۔

الک الک احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج - شریک بن ہمی - عمرو بن حزم - جویل بن ناسرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہان مناسب سمجھیں آباد کریں جس قدر محلے اس وقت تھے، اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی۔ ان صحابہ میں زبیر مہتمم اور عباد بن ابی وادعہ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ تین طرف دروازے تھے۔ جن میں سے ایک دروازہ دروازے کے مقابل تھا اور دونوں علامہ تونین سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام فسطاط پڑا جسکے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا

نام بھری ہے۔

فسطاط کی نسبت
آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۸۰ ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضائی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۶۳ مسجدیں ۱۰ ہزار سرکاری ۱۱ حمام تھے۔ اس کی وسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے۔ ناسخ بغداد مفسر الاسلام۔ خفا انت المغرب

لیس فی الاسلام اے بحالی من جامعہ ولا احسن تجلا من اہلہ ولا اکثر
 اہلک من ساحلہ، یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا خزانہ ہے، تمام اسلام
 میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے
 ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے،

موصول

موصول۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اُس وقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک
 قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے
 آباد ہوا۔ ہرثمہ بن عرقہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متحدہ محلے آباد کئے۔ ایک خاص
 جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ مکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے درمیان
 سے مشرق اور مغرب کا وٹا ملتا ہے۔ اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصول رکھا گیا۔
 یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ شہر ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور۔ جو مشرق کا دروازہ ہے
 اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے۔ اور موصول جو مشرق و مغرب کا گذر گاہ ہے یعنی آدمی
 کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے ضرور گذرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات
 بمعجم البلدان اور جغرافیۃ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

حیزہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل
 واقع ہے۔ عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیے

حیزہ

کہ رومی دریا کے طرف سے نہ چڑھائیں۔ تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیرا اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلالینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لیے یہاں آئے تھے۔ اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر ادریسین نہیں جاسکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی۔ وہ اگرچہ ہرمیا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سلسلہ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور سترہ مین بنکر طیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے، چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔

حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں سے بعض کے نام مجمع البلدان میں مذکور ہیں۔

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی تھیں جن کی بقیت یادگارین خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اسلحہ حیثیت کے متعلق متفرقی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔

اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیرین جسکی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی اہمیت کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے۔ لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ دست حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیر دار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔ ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا۔ فارسی میں جن کو مرزبان اور وہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیر دار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا۔ اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فوجی نظام
رومن امپائر
میں

فوجی نظام
فارسی میں

فرانس میں سولہویں صدی تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو

بی نظام
ان میں

مل جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا۔ چنانچہ اسلام کے بعد سولہویں صدی تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان میں وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا

کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۱ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ ہی میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے محاط سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی پانچ لاکھ کی رقم اُس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے منہ ماریا خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہؓ نے کہا ہاں، یہ بکر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور اسے پوچھی کہ اس قدر دیکھ کر کہنے نہ کر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے دالیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حالہ دیا۔ اور یہی روایت قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے۔ دبستان۔ دبیر،

دفتر دیوان، سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جنکا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں،

بہر حال شاہ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا، انھوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے ثناب اور حساب کتاب کے فن

میں استاد تھے، مخزومہ بن نوفل، حمیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب، علم الانساب عرب کا مورد ثنی فن تھا، اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا، جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم، پھر حضرت ابو بکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی، لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت، خود غرضی کا آلہ بن جاتی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یوں نہیں بلکہ انحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو، اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے

لے جا خط نے کتاب البیان التیسین (جلد دوم صفحہ ۳ مطبوعہ مصر) میں لکھا ہو کہ تمام قریش میں چار شخص شہا
عرب اور انساب و اخبار کے حافظ تھے مخزومہ بن نوفل، ابوجہم، ولیط بن عبدالمزی، عقیل بن ابی طالب

ملک کا فوج
بنانا۔

دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخرین لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر انحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

تقسیم مراتب	تقداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے،	۵ ہزار درہم
ہماجرین حبش اور شرکائے جنگ احد،	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی،	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے،	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ دسیہ اور یرموک میں شریک تھے،	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین،	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب،	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج فہرست ہوئے انکی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ ہماجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی

۱۰ تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں، میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۷ و تقریری جلد اول صفحہ ۹۲ و جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ و دیعقوبی صفحہ ۴۵ و طبری صفحہ ۲۴۸ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے، ۱۲

اولادِ ذکور کی وود و ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا؟

جس قدر آدمی درجِ جبرٹ ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

۱۔ اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہو وہ یہ ہو کہ بہت سے ظاہر بنیوں کا خیال ہو کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اسکو زوجی میسنے سے چندان تعلقی نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہو، اولاً تو جہانِ مورتوں کے اس واقعہ کا شانِ نزول بیان کیا ہو لکھا ہو کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قدحیت الشام فرایت ملو کھا فتد دونوا دیانا وجند اجند اخذون دیانا وجند جند اخذ بقولہ، یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے۔ اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لیا جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ انکی تنخواہ نہیں بھر کرتے تھے۔ اسی بنا پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان میں جو ان عمر کات لایعطی اہل مکہ عطاء اولایضرب علیہم لبعثا یہی وجہ تھی کہ جب صحرائین ہوؤں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرائینوں کا روزیہ نہیں مقرر ہو سکتا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے جبرٹ میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحبِ کمال تھے لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہو کہ رفتہ رفتہ یہ غلط بحث جو بظہر درت اختیار کیا گیا تھا مثلاً کیا چنانچہ ایسی مضمون میں آگے اسکی بحث آتی ہے۔

(۱) جو ہر وقت جنگی کمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔
 (۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کیے جاسکتے تھے انکو
 عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آجکل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والیئر کہا جاتا ہے۔ البتہ
 اتنا فرق ہے کہ آج کل والیئر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں جس سے
 بڑا غلط بحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک
 ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سترہمین حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم
 کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کین اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع
 پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات
 فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا
 ایسی شخص کا کام تھا جو قاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام، ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں
 میں تقسیم کرنا تھا حضرت عمرؓ نے سترہمین فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کین ملکی اور فوجی
 ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی
 مرکز قرار دیے جن کا نام چند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے

سلسلہ جہد کی تہت کے لیے دیکھو فوج البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات سترہمین لکھا جو اس سال حضرت عمرؓ نے
 فوجی صدر مقامات قائم کیے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین جزیرہ صول۔ اور قسریں کا نام لکھا جو یہ میرج غلطی ہو۔

مدینہ - کوفہ - بصرہ - مصل - فسطاط مصر - دمشق - حمص - اردن - فلسطین - حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق - مصر - جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کیے گئے۔ مصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے دمان متعدد صدر مقام قائم کرنے ضرور تھے۔ اس لیے دمشق - فلسطین - حمص - اردن - چار صدر مقام قرار دیے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بد لگیا ہے تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ کوفہ - یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیے تھے حسب ذیل تھے۔

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیے بارکین تھیں۔ کوفہ - بصرہ - فسطاط - یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لیے آباد ہی کیے گئے تھے۔ مصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے، ہر ثب بن عرقہ ازومی (گورنر مصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب دغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جدا جدا محلے بسائے۔

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ طیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ وقت ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً طیار ہو جائے۔ اس میں جزیرہ والوں نے دفعۃً بناوت

لے تاریخ طبری صفحہ ۴۰۷ میں ہے کہ کان عمر ابجد الان فرس عدۃ لکن ان کان یشتبہا فی قلیۃ فصر لکی قۃ۔ والبصرۃ فہمناھا و قیہ علیہا جریۃ بن معاویہ دنی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدر کان ناہم نایۃ و کب انعام و تقد مالی ان یستعد الناس

کی تو یہی تدبیر کلیدِ ظفر ٹھہری، ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا، مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا، شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ طیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنہی تھا اس کی حفاظت اور نگہداری کے لیے مقرر کیا تھا، ان گھوڑوں کی رانوں پر دانغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکائے جاتے تھے، جازون میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے، چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخر شاہِ جہان کہتے تھے، بہار میں یہ گھوڑے ساحلِ فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے، سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے،

خاص کردہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے

لے حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے عرب میں متعدد چراگاہیں طیار کرائی تھیں، سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع میں واقع ہے یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی دوسری مقامِ ضرہ میں تھی جو مکہ منظرہ سے سات منزل پر ہے اس کی دھت ہر طرف سے چھ چھیل تھی اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرور پاتے تھے ان چراگاہوں کی پوری تفصیل علامۃ الوقت اخبار دارالمطبعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ میں ہے اس کے تراجم ص ۱۲۱

اہل عرب نسل میں مان کی پروا نہیں کرتے تھے ہر سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا
چنانچہ جس گھوڑے کی مان عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دو غلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں
سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے،

بصرہ کا اہتمام جزین معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے،

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری انہی مقامات میں رہتا تھا،

(۴) رسید کے لیے جو غلہ اور اجناس ہتیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی

تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں،

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب

مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک

مفتوحہ میں پھیلا دیا، اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک

مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی، جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی، چنانچہ حضرت

ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک

مقتدرہ فوج رہتی تھی لیکن ان واماں قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں

فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا،

۱۔ توح البلدان صفحہ ۱۲ میں یہ دوکان المسلمون کما فتی ام دینۃ ظاہرۃ او عند ساحل دیتا تھا

فانہن یتحتاج لہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئ منہا حد من قبل الحدس لہا الیہ الامداد اور صفحہ ۱۵

میں یہ دوکانی ابو عبیدہؓ کی کونہ فتحہا عاملاً وضم الیہ جماعة من المسلمین وشیئ النواحی المخافتہ - ۱۲

ادفتر

ماعدہ

بادینان

لہذا بہت مال ان
ان کو بہت کام آئے

ساتھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، بلخ، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلا دساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، یسروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ) چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لیے اس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا انسرکل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا، بالاس چونکہ غری فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسرحہ تھا، وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباؤ گئے، ساتھ میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ طیارہ کی ضرورت ہے، حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲- اصل عبارت یہ ہے: ثم عمر الازرق وصلى الشواق والصوابيف وسد فروج الشام ومسالحها واخذ يدبها وصلى ذلك في كل كورة واستعمل عبداللہ بن قيس على السواحل من كل كورة ۲۔ ۱۲ فتح البلدان صفحہ ۵۰ امین ج ۱۔ ورتب ابو عبيدة ببالس جماعة من المقاتلة واسكنها قماما من العرب الذين كانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمين الشام۔
۳۔ فتح البلدان صفحہ ۱۲۸ امین ج ۱۔ وان معاوية كتب الى عمر بن الخطاب بعد صلات اخيه يزيد يصف له حال السواحل فكتب اليه في مهمة حصونها وترتيب المقاتلة فيها واقامة الحرس على مناظرها واتخاذ المواقيد لها۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اسکی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی، ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی، باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی، یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں، اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریض رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا، اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں، ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افادہ زمین ہوتی تھی،

۱۲۰۰ء میں جب ہرقل نے دیہ کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اسکی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لیے مخصوص کر دی، عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے، چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار، بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں، تاہم ان اضلاع میں عجل کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں ان سے نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں، خرمیرہ اور زابوتہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں، وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔

۱۲۰۰ء تقریبی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے۔ دکان لکھنوی قصیدہ فیہ من معہ من اصحابہ و تعلق فیہ اخایذ، ۱۲۰۰ء دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹ و تقریبی صفحہ ۱۶۷ سے تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰ میں ہے دکان بالکھفتہ اذ ذالک اربعان الف مقاتل دکان یغزوہ ذین الثغریں (اعلاری و اذہبیجان) ۱۲۰۰ء عشرۃ الاف فی کل منۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ۔ ۱۲۰۰ء فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔

صوبہ خوزستان، مین ہنایت کثرت سے فوجی چھاؤنیان قائم کی گئیں چنانچہ نہر تیری،
منادر، سوق الاہواز، سرق، ہرگز، سوس، بنیان، جندی مسابور، ہرجاقلہ، یہ
تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے، رستے اور آؤر بائچان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ
۱۰ ہزار فوجین موجود رہتی تھیں،

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیان جا بجا قائم کی گئیں جنگی تفصیل کی چندان ضرورت
نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت
کیوں دی گئی تھی، اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے
کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی
تھی، لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اور یونانی مدت سے اس فن میں مشرق
ہوتے آتے تھے، اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ
نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ
پسند کرتے تھے، لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اس کے ساتھ
ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا، اور وہاں انکی قوت کو کوئی
صدہ نہیں پہنچا تھا، ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو ہمتا
محکم رکھا جائے، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیان قائم کیں انھی
مقامات میں کین جو یا سائل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے، عراق
کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے

دائرہ

فوجی چھاؤنیان
کس اصول پر
قائم تھیں

رئیس جو زبان کھلاتے تھے اپنی بھائے ریاست کے لیے لڑتے رہتے تھے، اور
دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو انکی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے
ان مالک مین ہر جگہ، فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت
کا خواب نہ دیکھتے پائین، ر

فتر کی دست

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صفیوں پر بھی توجہ کی اور ایک
ایک صیفے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا
ہے، فوجوں کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتداء ہماجرین اور الفارس سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوئے
قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا، مدینہ سے عسکان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل (دھڑے) ہیں
قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے، بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ
ہے بلکہ عرب کے جزائیہ نویس اس کو عراق کے اصلاخ مین شمار کرتے ہیں وہاں کے
تمام قبائل کا دفتر طیار کیا گیا، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، حیرہ، وغیرہ مین جس قدر عرب آباد
ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے، اس بنیاد پر وہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر
کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرآن سے معلوم
ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال
تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے
کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن مین سے ۱۰ ہزار باقاعدہ فوج

ان ۳ ہزار
فوج طیار
تی تھی۔

لے کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۱۰۔ ۲۱۱ مالک نے موطا مین ۳۰ ہزار کے بجائے ۱۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہو

تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رسے اور آذر با بجان کے مہات مین حاضر رہنا ضرور تھا
 یہی نظام تھا جسکی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم
 رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا جس قدر اس نظام مین کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت
 مین صنف آتا گیا اسب سے پہلے امیر معاویہ نے اس مین تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی
 تنخواہ بند کر دی، عبدالملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا اور منقسم باشندے سرے سے
 فوجی دفتر مین سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی عرب
 کے ہاتھ سے نکل گئی،

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ مین آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس
 آتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُس مین داخل
 کیے گئے، یزدگرد و شاپور شاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ طیار کیا تھا
 جسکی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاپور شاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا، یہ فوج فارس مین کی
 معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے مین آگئی، سعد بن ابی وقاصؓ کو
 کوفہ نے ان کو فوج مین داخل کر لیا، اور کوفہ مین آباد کر کے انکی تنخواہ مین مقرر کر دیں، چنانچہ
 اسلامی فتوحات مین ان کا نام بھی جا بجا تاریخون مین آتا ہے، یزدگرد کی فوج ہراول
 کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اسلئے مین یزدگرد
 اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن مین ستر بڑے بڑے نامی

فوج مین بھی دی،
 مہندوستانی اور
 یہودی بھی داخل
 تھے

پہلوان تھے اس طرح کی طرف بھیجا کہ ہر سرشہر سے چیدہ بہا در منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے
 ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب سترہ مین سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس
 چیدہ رسائے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع
 تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی، ابو موسیٰؓ
 کو ان شرائط پر راضی نہ تھے، لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی پھر
 عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد
 کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر انکی تنخواہیں مقرر ہو گئیں، ان میں سے چھ افسروں
 کی (جسکے یہ نام تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہرویہ، افرو دین) ڈھائی ڈھائی ہزار
 اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی، تیسرے کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر
 سے فتح حاصل ہوئی ہے

بازان، نوشیروان کی طرف سے مین کا گورنر تھا، اسکی رکاب میں جو ایرانی فوج
 تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے، ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا، تعجب یہ ہے
 کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا، سندھ کے جاٹ جنگجو اہل
 عرب زما کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے، سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام
 کے حلقہ بگوش ہوئے، اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے،

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے، چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ

آدمی شریک جنگ تھے، اور جب عمرو بن العاص نے قسطنطین آباد کیا تو یہ جداگانہ تھے۔
آباد کئے گئے، یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے
ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔

غرض حضرت عمرؓ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لیے کسی قوم اور کسی
ملک کی تخصیص نہ تھی، یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والہ النیر فوج میں
تو ہزاروں جو سی شامل تھے جنکو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے، فوجی نظام
میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اسکی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئیگی،
لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا
گیا تھا، صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے عرب کو اپنی تلوار
کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا، البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن
قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑنا فن جنگ کا بڑا اصول تھا،
کہ خرگوش بہر مرزرا بے شکفت سب ان ولایت تو اند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، ابتداء سے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ
حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام
بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی، حضرت عمرؓ نے اب یہ پرو
بھی اٹھا دینا چاہا شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی ٹٹا

لے مقرزی صفحہ ۷۹۸ میں ان سب کے حالات کسی تفصیل سے لکھے ہیں،

ہوتا تھا، لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو صیغۂ تعلیم سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا، چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا تقطع علی القرآن احدًا
اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے ہر روز باز رکھتے تھے، اس لیے ضرور تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے، اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا، ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی۔ ۳۰۰ کر دی، افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھادی، بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیداہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے،

ہون میں
تی

رسد کا بند و بست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجین مثلاً قاصیہ میں پہنچیں تو اس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے حبس اور غلہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بند و بست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵- تار غلہ لیا جاتا تھا، اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا، مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد، اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا، جزیہ میں بھی یہی انتظام تھا، لیکن اس میں رعایا کو جمت ہوتی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی جس کو رعایا نے

نظام

لے فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶، اصل عبارت یہ ہے، فاذا احتاجوا الى العلف والطعام اخذوا خيلا في البر

فاغارت على اسفل الفرات وكان عمر يبعث اليهم الميثم الغنم والجرير ثم فتوح البلدان صفحہ ۶۱، ۶۲، ۶۳

ہمایت خوشی سے قبول کیا، رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کی جکا نام اہرار تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عقبہ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے، اہرار ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں، چونکہ رسد کے کچا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا، اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور جینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ۱۰ من، ۱۰ اشار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اس کے ساتھ فی کس ۱۲ اشار روغن زیتون اور ۱۲ اشار سرکہ بھی ملتا تھا، اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے، تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل، وردی کے ذکر میں آئے گی، ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں معوتہ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا، لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لیے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار انخلا ذمین چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے،

خوراک اور کپڑا
اور بھتہ

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ ہرا کے معنی اور مفہوم کے لیے دیکھو لسان العرب اور فوج البلدان صفحہ ۲۰۸
۲۔ الخراج صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ اصل عبارت یہ ہے، کان لعربین الخطاب اربعۃ آلاف فرس + فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ او کان محتاجاً اعطاه الفرس۔

تقسیم
یتہ

بیتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے، شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار
میں بیتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ
کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عولیت یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر
جو کم سے کم ۱۰۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء، الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ انکو
دیجاتی تھی، وہ عولیت کو حوالہ کرتے تھے اور عولیت اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو
حوالہ کرتے تھے، ایک ایک عولیت کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ
کوثر دہسرہ میں نسو عولیت تھے، جبکہ ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، اس نظام
میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق میں امراء اعشار نے تنخواہوں
کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے، عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے
مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم، وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے
دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس
دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک مقرر کیا، عولیت کا تقریبی فاروقی
ایجادات سے تھا جسکی تقلید توں تک کی گئی، کنزل العمال باب الجہاد میں یہی کی روایت
ہے، اول من دون الدواہین وعرفت العرفاء عمر بن الخطاب -

ہ کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا،

۱۔ طبری صفحہ ۲۲۸، اصل عبارت یہ ہے واما لہم عبا و تہم فی الربیع من کل سنتہ و باعطیائہم فی المحرم من
کل سنتہ و یفیکہم عند طلوع الشعری فی کل سنتہ و ذلک عند ذلک الفلانت ۱۲۷۵ یہ واقعات نہایت تفصیل
کے ساتھ طبری صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ میں ہیں۔

قادسیہ میں زہرہ عصمتہ ضعی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں، مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہات آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلو لاہر میں نو زہرا سہناوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے،

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے،

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جتنیں متعین کر دی تھیں، یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں، اس تقسیم کا نام شایتمہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہاں تک کہ ہمارے مورخین، مغربی نہات اور فتوحات کو صرف صوالیٹ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، یہ انتظام حضرت عمرؓ نے سلسلہ میں کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہیں وسمى الشقاق والصواعق وسمى ذالک فی کل کو ساقۃ۔

(۲) فصل بہار میں فوجیں ان مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و درختان ہوتا تھا، یہ قاعدہ اول اول سلسلہ میں جاری کیا گیا، جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عقبہ بن نضول کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔

سلسلہ تاریخ طبری میں ہر دو کتب عمالی سعد بن مالک والی عقبہ بن غزو ان ان یتربعا بالنا

فی کل حین سربیع فی اطیب ارجئہ کتاب تذکرہ صفحہ ۲۴۸۶۔

اختلاف موسم کے
لحاظ سے فوج
کی تقسیم۔

بہار کے زمانے
میں فوجوں کا
قیام۔

عمر بن العاص گوزمصر موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سپردشکار مین بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فریہ بنا کر لائیں،

(۳) بارکون کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا محن چھوڑے جاتے تھے، فوجوں کے لیے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں اصول صحت کے لحاظ سے سرکاریں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمرؓ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ صحت اور وسعت کی تسہیل بھی خود لکھ کر بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گذر چکی،

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کمرے اور پورے کیے شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں، اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں، یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ میں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، جو فوج میں روز دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب اونھوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو انھوں کو احکام

بھیج دیے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اُسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی سے بچنے کے لیے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں۔ نرم کپڑے نہ پہنیں۔ دھوپ کھانا نہ چھوڑیں۔ حیاتِ امون میں نہ نہائیں۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لیے کوئی خاص لباس جس کو دروی فوج کا لباس کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چند دن زور نہیں دیا گیا۔ کیونکہ ۲۱ھ میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ عقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اُون کا جبّہ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ موزہ۔ حالانکہ اُول اُول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے تبصریح منع کیا تھا۔

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ۔ ایک محاسب۔ ایک قاضی۔ اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگِ قادسیہ میں عبدالرحمن بن ربیعہ۔ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب۔ ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں حکمِ عدالت۔ سررشتہ حساب مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی تیرا گھوڑے دوڑانا تیرا گانا۔ ننگے پاؤں چلنا۔ اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لاتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ آخر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً یمنہ۔ میسرہ۔ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لاتا تھا یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے سٹھ مین یرموک کے معرکہ میں حضرت خالدؓ کی بدولت تعبیدہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جب تک تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی یہ حصہ یمن میں تقسیم ہو کر حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

یمن

مختلف
حصے

قلب - سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔

مقدمہ - قلب کے آگے کچھ فاصلے پر رہتا تھا۔

یمنہ - قلب کے دائیں مات پر رہتا تھا۔

ابن خالدؓ نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحرب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبیدہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا، لیکن یہ غلط ہے۔ بلکہ اور دیگر مورخین نے تبصرہ لکھا ہے کہ معرکہ میں اول اول خالدؓ نے تعبیدہ کی طرز پر صف اترائی گی۔

میسرہ بائیں بات پر

ساتھ سب سے پیچھے۔

طلیحہ گشت کی فوج جو دشمن کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔

ردو جو ساتھ سے پیچھے ہرتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔

رائد جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔

رکبان شتر سوار

فرسان سوار

راجل پیادہ

راما تیر انداز

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان
مین لکھا ہے لکھنؤ شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے
ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں۔ سوا۔ ڈورا۔ قنچی۔ سوتالی۔ توہرا۔ چھلنی۔

قلعون پر حملہ کرنے کے لیے منجیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے میں شروع

ہو چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے مسدین طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا

لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے

سے فتح ہوئے۔ مثلاً ۱۶ھ میں بصرہ کے محاصرے میں منجیقین استعمال کی گئیں۔ محاصرہ

ہر سپاہی کو ضروری
چیزیں ساتھ رکھنی
پڑتی تھیں

کے لیے ایک اور آلہ تھا جسکو دباہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اونچے پیسے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زون اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اس کو ریتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے۔ اس طرح قلعہ کی جڑیں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہر سیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

بستہ صاف کرنا، سڑک بنانا پل باندھنا۔ یعنی جو کام سبکل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفر مینا کی خدمتوں کو مصری انجام دین لگے۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلے کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے۔ سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قطعی بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا۔ اور اس کے لیے قدرتی سامان ہات آگئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے

لے مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخر عمرہ بالمسلمین: وخرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط وقد اُصلحوا لہم الطرق واقاموا لہم الجسور والاسواق۔

یہاں

رسائی

جاسوسی

ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے۔ اس لیے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لیے دشمن کی فوجوں میں جہان چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یہ مومک قادسیہ، مکریت میں ابھی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے۔ جو قیصر کی فوجی طیاروں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں: فلما رأى اهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السبق فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين وعو، قال للمسلمين على اعدائهم فبعث اهل كل مدينة ممن جرى الصلح بينهم وبين المسلمين رجلا من قبله حتى يسألوا الاخبار عن الروم وعن ملكهم وما يريدون ان يضعوا ارون اور فلسطين کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامی کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لیے مقرر کیے گئے۔ اور اس کے صلے میں انکی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جراثمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور

۱۔ تاریخ شام لازدی صفحہ ۱۵۱ دطری صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳۔ اردی کی عبارت یہ ہو لما نزلت الروم منزلهما الذي نزلوا به دسنا اليهم رجلا من اهل البلد كانوا انصارى وحسن اسلامهم وامرناهم ان يدخلوا عسكرهم ويكفوا اسلامهم وياقوا باخبارهم ۲۔ کتاب نكاح غفر ۳۔ توح البلدان صفحہ ۱۵۱۔

ان کو بھی خروج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بٹارو زمین تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیل ہوئی تھیں جہاں سے دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کو سس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا عام سبب تو حضرت عمرؓ کی سطوت اور ان کا دعب و داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں۔ وکانتم تکون لعصر الیوم فی کل حیث فکنتم الی عمر بما کان فی تلک الغزاة وبلغہ الذی قال عتبہؓ۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔ وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ۔

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بغاوت والی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اور دن کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمر و معاذؓ نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخی کلمہ کہ دیا تھا فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھوں نے عمر و معاذؓ کو تخریب کے ذریعے سے ایسی چشم نائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جزارت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سیکرٹوں

مثالیں ہیں جنکا انتقضاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں متران مجید۔ اخلاقی اشعار۔ اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی بڑے بڑے علمائے صحابہ کرام ضلوع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مستمر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لیے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ”صیغہ مذہبی“ کے بیان میں آئے گا۔

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا مذہب و یم و عین تھی۔ اور حقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرایہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الے اللہ۔ استعراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب۔ قطع علائق۔ خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سرشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آ سکتیں۔ اس لیے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام۔ تعلیم قرآن و حدیث۔ احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کی تحت میں آ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے۔ اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لاکھ لاکھ فی الدین۔ بلا تاویل عمل کرتا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب انکا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لاکھ لاکھ فی الدین۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکہ کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد وقاصؓ کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ وقد كنت امرت ان تدعوا

من لقيت الى الاسلام قبل القتال، قاضی ابودیوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لیے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں

لے یہ روایت بطعات ابن سہیلؓ میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۹۴۔ مطبوعہ جدید آباد

انھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد اُن کے سامنے بیان کیے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اہلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی نوجین جس ملک میں جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادینِ شینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور خلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں۔ اور اسلام اُن میں گھر کرنا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیون کا سفیر جارج۔ ابوسعیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطابو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کے حالات ہی شکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

لے تاریخ متفرزی صفحہ ۲۷۶ میں ہے فخر شطانی الغین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک

یحب الخیر و یبیل الی ما یسمعه من سیرۃ اهل الاسلام۔

اسلامی فتوحات کی بولبلی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا قدم اٹھتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیے، اور حالات سن کر یہ کہا کہ ”ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔“ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ ”یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے۔“ ابورجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادیسیہ کی لڑائی میں مین حاضر تھا اور اُس وقت تک مین مجوسی تھا، عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”تیکلے ہیں“ لیکن ان ہی تیکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بپ نے قبطیوں کو لکھا کہ ”رومیوں کی سلطنت ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔“

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر انکا

میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور توہین نہ تھیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً و مشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بیشپ جس کا نام اردو کون تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہات پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افیون خانہ کے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ جس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۱۶ھ کے اخیر میں جب جلولاء فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤساء اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں جمیل بن بصرہ، بن عامر بن زسی۔ رفیل۔ فیروز۔ ان رؤسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شروع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار ویکم کی فوج جو خسرو پر ویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔

لے ہم البلادان ذکر قطرہ شان ۲۶۵ صفحہ ۲۸۰

یزدگرد کے مقدمہ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا۔ جب کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصرار کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تتر بھینچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اُس نے تمام ہمارے ہیون کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے۔ اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کر لیں چنانچہ اُسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اسادۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اسادہ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاہ بچہ نطا۔ اندغار۔ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبہ کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی عن سلام بنایا اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیج دیا۔ اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبہ حبیب کے رہنے والے کل

کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے
 بڑھیں تو بقتارۃ اور وراۃ سے لے کر عتقان تک جو شام میں داخل ہے۔ بہر
 جگہ اسلام پھیل گیا۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کا رئیس مسلمانوں کے
 حالات سن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں
 پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آ ملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔
 فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ، دار السلطنۃ ہے

یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے۔ جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک
 محلہ بنو نہر کے نام سے آباد تھا۔ جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے
 مصر کے مین اس خاندان کے نو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا
 محلہ بنو الارزق کے نام پر پڑتا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا۔ اور اس قدر کثیر النسل
 تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ
 روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے۔

۱۔ تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔ ۲۔ مقریزی صفحہ ۸۴ میں ہے ولما افتتح المسلمون الفرس
 بعد ما افتتحو دمیاط و تنیس سارو الی بقتارۃ فاسلم من بہا و ساروا منها
 الی وراۃ و قد دخل اہلہا فی الاسلام و ما حولہا الی عتقان۔

پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا
یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا۔ جہاں صرف نو مسلم جو سی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ
یہ محلہ انھیں کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اہل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے
جو نوشیروان کی طرف سے مین کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان
ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل
گیا تھا۔ مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے یہاں
وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مورخ ازودی
جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں
تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ جو وہاں کے رہنے والے تھے اور مسلمان
ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی اُن سے
بدگمان نہ ہونے پائیں“ مورخ طبری نے ۱۲۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی
میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی
مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔

۱۲۱ھ اس کے متعلق پوری تفصیل تقریری صفحہ ۲۹۰ جلد اول میں ہے۔ ۱۲۱ھ بلاذری صفحہ ۱۵۰

۱۲۱ھ طبری صفحہ ۲۶۶

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی۔ یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم **تراک** کی حقیقت اور اس کی تسلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ **امروز ہر کتاب** میں جو انداز طوایف مسلمانین **تراک** کا روق اعظم در گردن دوست

حضرت عمرؓ نے
قرآن مجید
کی جمع و ترتیب
میں جو کوشش
کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول **تراک** مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا۔ صحیح نسخہ لکھنا۔ محفوظ رکھنا۔ تمام ممالک میں اس کی تعلیم کو رواج دینا۔ جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے، وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھروں کی تختیوں پر۔ لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورہ یاد تھی۔ کسی کو کوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جب سید کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ **تراک** تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ ”اگر اسی طرح حفاظ قرآن اُٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا“ اس لیے

ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا جو ”کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا تو میں کیونکر کر دن“ حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے۔ اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں مات آئیں یکجا کی جائیں حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُس پر دو شخصوں کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو انحضرتؐ کے عہد میں تسلیم دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا ستر اُن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔ سید بن العاصؓ بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابتؓ ثابت دیکھتے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ ستر اُن مجید۔ مضر ہی کی خاص زبان میں اُترا ہے۔

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادے جائیں۔ تاکہ تحریف و تنزیہ کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعزاء

اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان قیوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ کی دعاوی کی تدبیریں۔

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مسترکین۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے

کہ انھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماورہ تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ ماور کیا۔ کہ قبائل میں پھر پھر کہ شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

مکاتب قرآن بدوؤں کو جبری تعلیم نہ ہو اس کو سزا دے۔

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجے گئے تھے کہ بچوں کو شسوار کی اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو روایت حدیث میں ہیں انکی روایت یہ ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔

مکاتب کی تعلیم

لے سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یسرقان

المعاد بین والائمة والمعلمین۔ ۲۰ غانی جز ۱ ص ۱۷۵ صفحہ ۵۸۔ اصابتی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

واقعہ منقول ہے۔

معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔“

صحابہ میں سے ہ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاویہ بن جبلؓ عبادہ بن الصامتؓ ابی بن کعبؓ ابو یوبؓ ابو درداءؓ

ان میں خاص کر ابی بن کعبؓ سید القراء تھے۔ اور خود آنحضرتؐ نے اس باب میں انکی مع کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ ”شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ

آپ لوگ جا کر تشران کی تعلیم دیجیے“ ابو یوبؓ ضعیف اور ابی بن کعبؓ بیمار تھے۔ اسلئے جانہ سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص

کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں۔ باقی دو آدمیوں میں سے ایک صاحب دمشق۔ اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ

یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا۔ تو عبادۃ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابو درداءؓ دمشق۔ اور معاویہ بن جبلؓ فلسطین۔ کو روانہ ہوئے۔ معاویہ بن جبلؓ نے طاعون

عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو درداءؓ حضرت عثمانؓ کی آخر خلافت تک زندہ اور دمشق

لے معجم البلدان۔ لغت حاضر۔ مجسم میں اس روایت کو حضرت ابو یوسفؒ کے عہد کی بہت لکھا ہے لیکن خود صاحب مجسم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے لہٰذا یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۸۱ ۲ میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد

قرآن صحابہ کا
تعلیم قرآن کے
لیے دور دراز
مقامات پر
بھیجنا

میں مقیم رہے، ابودرداء کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا ابودرداء دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے۔ کہ ان کو تہران پڑھائے۔ خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب العلم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابودرداء خود اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایک دن ابودرداء نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ۔

دشک کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لیے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کیے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ حج۔ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں۔ کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔ عامل کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں ان کی تنخواہ میں ہتھ رکھ دی جائیں۔ جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا، اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں وقتاً فوقتاً اعمال سے تہران خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ "حفاظ تہران کو میرے پاس بھیج دو تاکہ تین

ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جابجا بھیجوں، تو سعد و قاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔

حافظوں کی تعداد

تیسرا امیر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و تدوین ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے صرف قرآن مجید کا نسخہ ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا حضرت عمرؓ نے اس کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

صحت اعراب کی تدبیریں

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں تَعْلَمُوا اعراب القرآن كما تعلمون حفظہ اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں تعلموا الفصيح والحن والشئ كما تعلموا القرآن۔

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

ادب اور عربیت کی تعلیم

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو نعت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

لے کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”چنانکہ فاروق اعظم - عبداللہ بن مسعودؓ را با جیسے بکو فہ فرستاد و معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن معقلؓ و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادہ بن صامتؓ و ابوہریرہؓ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قد غن بلینغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجا و زکندہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ انکی نکتہ بنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں انکے ذاتی حالات میں ان کے فضل و کمال کا جہان ذکر کرے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لین گے۔

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے فقہ اس لئے حضرت عمرؓ نے اُسکو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے وفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کیے۔ اسی طرح شام بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پر اثر خطبے پڑھے ان میں اسلام

کے تمام قہات اصول اور ارکان بیان کیے۔ اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لیے اُن مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بہت ام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا کرتا۔ نے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے میں جابجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً اعمال اور افسردہ کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جبکہ تعیین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عامل کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اُس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؒ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظ نقل کیا ہے۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام مالک مفسرین میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے۔ مسئلہ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبویؐ میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسردہ کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعریؒ اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. هَذَا كِتَابُ الصَّدَقَةِ الخ. تھا۔ اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؒ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ہمت مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عامل کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے،

سہی علیہ السلام

حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک دفعہ لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حجامون میں جا کر عیالی عورتوں کے سامنے بے پردہ نکلتی ہیں لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں، روزہ کے متعلق تمام عال کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکلون من المسوفین لفظ رکھو، زیدین مذہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ اِنَّ الْمَرْءَ لَا يَقْصُومُ نَظْقًا اِلَّا بِاَذْنِ زَوْجِهَا، ابو داؤد کے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ اِنَّ الْاَكْهَلَ بَعْضُهَا الْاَكْبَرُ مِنْ بَعْضٍ اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ، فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا انکو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي السَّارِقِ فَاجْتَمَعُوا اَلْيَوْمَ غَسَلَ جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ اس وقت فرمایا اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَقَدْ اَخْتَلَفْتُمْ فِي بَعْدِ كَوْنِكُمْ اَخْلَافًا عِنْدَ بَعْضِ الْاَصْحَابِ بَدْرِيْنَ هُوَ كَرِ اَيْسَ مِنْ مَخْتَلَفِ الرَّائِيْنَ تَوْ اَيْنِدَهْ اَنْتُمْ دَالِي فَسَلُونِي مِنْ اَوْرَسَتْ اَخْلَافَ هُوَ كَا

مسائل فقہیہ میں
ابلاغ

چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور ان کی رائے قطعی قرار پا کر شائع کی گئی۔
اس بارہ کی تکمیل میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منہج بات
طے ہو گئی یعنی چار بکیر پر اتفاق ہو گیا۔

سائل فقہیہ
میں اجماع

(۳) اضلاع کے عامل اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے
کہ عالم اور فقیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مختلف مرقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا، ایک
دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے۔ اِنِّیْ اَشْهَدُ کَہْ عَلٰی اَہْلِ اَہْلِ مَکَّہَ
اِنِّیْ لَمَّا اَبْغَضْتُمْہُمْ لَا یُفْقَہُوْنَ النَّاسَ فِیْ دِیْنِہُمْ، یعنی میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے
افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ یہ التزام ملکی افسروں
تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابویوسف صاحب
لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا اجْتَمَعَ اِلَیْہِ جَیْشٌ مِّنْ اَہْلِ الْاِیْمَانِ
بَعَثَ عَلَیْہُمْ رَجُلًا مِّنْ اَہْلِ الْفَقْہِ وَالْعِلْمِ، یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے
عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، ابو موسیٰؓ، شمرؓ
معاذ بن جبلؓ وغیرہ کا نام پاتے ہیں۔ جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی
ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی
تعلیم دین، موریخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس

فقہ کی تعلیم کا انتظام

دوسرے ان مکتون کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تاہم جتنے جتنے تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے مثلاً عبد اللہ بن المغفلؓ کے حال میں صاحب اسد الغابہؒ نے لکھا ہے کہ میں نے جملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ عمران بن حصینؓ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، انکی نسبت علامہ ذہبیؒ طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وَكَانَ مَعَهُ بَعْضُهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ لِيُفَقِّهَهُمْ، یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ عبد الرحمن بن غنمؓ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو تعلیم فقہ کے لیے شاہم بھیجا تھا۔ ۱۔ صاحب اسد الغابہؒ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی۔ ۲۔ عبادہ بن الصامتؓ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبلؓ اور ابو ذرؓ کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو مستر ان مجید پڑھائیں۔ ۳۔ اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطیؒ نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والعتاہرۃ میں جہان بن ابی جبلةؓ کی نسبت لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔"

ان فقہاء کے درس کا طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے

۱۔ اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذين بعثهم عمر الى البصرة ليعفقهون

اور شائقین علم نہایت کثرت سے اُن کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ دمان تشریف لے گئے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب انکو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہیں۔ یارث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو دراد جب مسجد میں آتے تھے تو اُن کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہاء کی تخریج میں بھی مقرر کی تھیں۔ اور حقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل ابو دراد۔ عبادہ بن الصامت۔ عبد الرحمن بن غنم۔ عمران بن حصین۔ عبد اللہ بن مغفل۔ تمام جامعیت اسلام میں انتخاب تھے۔ اس کی تصدیق کے لیے اسد الغابہ اور لہابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا جائزہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر تعلیم دیے جاتے تھے جنہیں صحابہ کا اتفاق رہا۔

لے تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل ۳۵ ایضاً ذکر ابو دراد۔

فقہاء کی تخریج

معلیم فقہ کی نوعیت

شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا۔

ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”معتمد بعد غم خلیفہ برہنہ کے مجالِ مخالفت نہ ہو۔ و جمیع این امور شذو و نادر غیر فتنہ و بؤن استطلاعِ رائے خلیفہ کا رے را مصمم نمی ساختند۔ لہذا درین عصر اختلاف مذاہب و تشکیلات آرا واقع نشد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافت عامۃ ظہور نمود۔ علما و ہر بلد سے مشغول با فادہ شدند۔ ابن عباس و رکنہ فتوے می دہد۔ و عائشہ صدیقہ و عبد اللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند۔ و ابو ہریرہ اوقاتِ خود را بر اکثر روایت حدیث مصروف می سازد۔ بالجملہ درین ایام اختلاف فتاویٰ پیدا نشد۔ یکے را بر رائے دیگر اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذکورہ واقع نہ۔ و اگر مذکورہ بیان آمد از احتیاجِ مشبہ و خروج از مفسق اختلاف بعضاً اتفاق میسر نہ۔ اگر متبع کنی روایتِ علمائے صحابہ کہ پیش از انقراضِ خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند بنمایند کم یا بی۔ و جمیع کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند۔ ہر چند جمیع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب انچہ روایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم۔ اما در میان انچہ از حدیث و فقہ در زمنِ فاروق اعظم بود و انچہ بعد و سے حادث شدہ فرق مابین السہبات و الارض است۔“

حدیث اختلاف مذکور
در صحیفہ الامام احمد

علی انتظام

اماموں اور
مؤذنون کا
تقرر

یہ تمام امور جنگا اور ذکر ہوا علی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ علی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے۔ ہر شہر و قبضہ میں امام و مؤذن مقرر کیے۔ اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ علامہ بن الجوزی سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانایا من رفقاء المدائین والائمة۔ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منایں عقبہ کے پار پہنچائیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے۔ حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی حفاظت
سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کئے اس لیے میر حجاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں طیار کر لیں ابو موسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ "بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کجائیں" سعد و قاص و عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے شام کے تمام ممالک کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کجائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جو جامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گوانکی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری مدینہ منورہ میں واقع ہو راقم کو بھی

نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جلال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد کو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زیب و زینت پر توجہ کی اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزون وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے سرسبز میدان گرد و پیش کے مکان مول لیکر ڈھادیے۔ اور انکی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اسکی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اسپررات کو چراغ جلانے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قبایلی کا بنو ایاجو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے پانچ میل اور فیلین) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے اسے نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی خضر بن نوفل۔ ازہر بن عبد عوف۔ حلیط بن عبد الرحمن۔ سعید بن ربیع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

لے الاحکام السلطانیۃ للامور دی ۱۵۴۔ وفتح البلدان صفحہ ۶۶۷۔ وفتح البلدان صفحہ ۶۷۴۔

حرم محترم
کی وسعت

مسجد نبوی کی
وسعت اور مرتبہ

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت طیار
ہوئی تھی وہ اس عہد کے لیے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز بڑھتی کرتی جاتی
تھی۔ اور اس وجہ سے غازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سترہمین حضرت عمرؓ نے
اسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لیے لیکن حضرت عباسؓ
نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ
کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انھوں نے فیصلہ
کیا کہ حضرت عمرؓ کو بچہ خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ ”اب میں
باقیعت علمہ سلیم کے لیے دیدیا ہوں“ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر
باقی جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انھوں نے
۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا
گیا، آنحضرتؐ کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے رہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید
کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس کی بات چیت کرنی
یا شر ٹھننا ہو، اس کے لیے یہ جگہ ہے۔

مسجد میں فرش اور
روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا۔ اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ
کے عہد میں ہوئی یعنی ان کی اجازت سے تسم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔
حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جسکی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دھند

مال غنیمت میں عود کا ایک بندل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا، لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے۔ چنانچہ یونوں کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیٹھی میں جلا کر نازیون کے سامنے پھرتا تھا اور فسکے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ ہی نے کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا۔ بلکہ اسلام کی سادگی بیان بھی قائم تھی۔ یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نازیون کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال ادھر گزر چکا، لیکن انکے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جنکے لیے جدا جدا عنوان بنیں قائم کیے جاسکتے اس لیے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا۔

ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے سن سال کا قائم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یا درکھنے کے لیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہہ الاثم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

ایک ابتدائیون ہوئی کہ سنہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چاک پیش ہوئی
صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے
یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شورے منعقد کی۔ تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے، اور
یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان
جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے
ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اس میں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے
اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے
ہجرت نبویؐ کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت
فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاول سے
آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے
آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ
آیا تو صرف ایک قبیلہ بنی نضیر کے قبیلہ میں شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب
عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہاں تک کہ جب سنہ ۱۶ھ میں ایلکہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک
شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالی غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً
لوگوں نے ایک ہر سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے

میں انکی تنخواہ دو درہم دوسو مقرر کی گئی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کا غذات اور نقشے تیار ہوئے۔

سب سے مشکل اور پُر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کھاتے تھے۔ اور جنہیں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ انکی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی۔ مثلاً بہادری کے لحاظ سے۔ شرافت کے لحاظ سے، پھل کا رگزار یوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترقیب قائم رکھی جاتی تھی۔ اس صیفی کے حساب و کتاب کی درستی کے لیے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا، مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب۔ مخزومہ بن نوفل۔ جبیر بن مطعم کو بصرہ میں میسرہ بن شبہ کو۔ کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

خرچ کا تمام دفتر یہاں کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ فارسی۔ شامی۔ قبلی زبان میں رہا۔ کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقہ میں جو پیشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانوروں کا حلیہ، رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے مات سے لکھتے تھے۔

مصارف جنگ اور مالی غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالدؓ کی پہلے معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولا کی فتح میں جو سترہ مین واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اسکے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

مصارف جنگ
کے کاغذات

مردم شماری
کے کاغذات

خاص خاص معقون کے لحاظ سے بھی نقشے طیار کر اے گئے تھے۔ مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ انکی فہرست طیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے، وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں ہوتا تھا اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اسوقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجروں کی بہان ہوتی ہیں۔ کتاب اور جبرٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

کاغذات حساب
کے لکھنے کا طریقہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکے جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا نقلی ترجمہ کرتے ہیں۔

”جب امیر المومنین عمرؓ خلیفہ ہوئے اور خدا نے اُن کے مات پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انھوں نے سکے کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا۔ بلکہ پُرانے سکہ جو جاری تھے بحال رہنے دیے۔ اس لیے کہ یہ مختلف مقامات پر سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفر آئے حرمین حنف بن قیس بھی شامل تھے۔ حنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات سے متعلق بیان کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر متقل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر طیار کرائی جس کا نام نہر متقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اذ اجاء فہم اللہ بطل فہم یحقیل حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لیے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کیے۔ اُسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکے کے درہم جاری کیے جو نو تیرہ سکے کے مشابہ تھے۔ البتہ تنازع تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عواماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ میں

ترسیم و اصلاح کی۔ علامہ مالدردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے، نغلی، آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔

ذمی رعایا کے حقوق

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیے اس کا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق، غلاموں سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے، تاہم انکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیار حاصل تھے۔ وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا۔ بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی مجرم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

لے الاحکام السلطانیہ للامالدردی صفحہ ۱۴۸ ذمی سے وہ قوین مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیرِ نگین کیا تو رفتہ رفتہ وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق انکو دیے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا بنیں رہے۔ بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے، ہم انکو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بائیسہم دعویٰ تہذیب، اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کین دیے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ قلم کا باعث تھا اس لیے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور ان کے افاضات میں لکھا گیا حسبِ ذیل ہے۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے	هَذَا مَا اعطى عبد الله عمر امير المؤمنين
لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب	اهل ايليا من الامان اعطاهم اماناً
تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے	لانفسهم وامي الهم ولا لئسهم
اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے نہ وہ ڈھائے	وصلبانهم وسقيمها وبريحها وساير ملتها
جائیں گے۔ نہ انکو لانگے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا	انذ لا يسكن كنائسهم ولا تدم ولا
نہ انکی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی	ينتقض منها ولا من جيزها ولا من صلبهم
مذہب کے بارے میں اُتر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے	ولا من شي من اموالهم ولا يكرهوا على دينهم

بیت المقدس
کا معاہدہ

وَلَا يَصَارُ أَحَدُهُمْ وَلَا يَسْكُنُ بِأَيْلِيَاءِ
 مَعَهُمْ أَحَدٌ مِنَ الْبَهْدِ - وَعَلَى أَهْلِ أَيْلِيَاءِ
 أَنْ يَعْطُوا الْجَزِيَّةَ كَمَا يَعْطِي أَهْلُ الْمَدَائِنِ
 عَلَيْهِمْ أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا الرُّومَ وَاللَّصُوتَ
 فَمَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ فَهُوَ مَنْ عَلَى أَنْفُسِهِ
 مَا لِحَقِّي بِلِقَا مَا مِنْهُمْ وَمَنْ أَقَامَ مِنْهُمْ
 فَهُوَ مَنْ وَعَلَيْهِ مِثْلُ أَهْلِ أَيْلِيَاءِ مِنَ الْجَزِيَّةِ
 وَمَنْ أَحْبَبَ مِنْ أَهْلِ أَيْلِيَاءِ أَنْ يَسِيرَ بِنَفْسِهِ
 وَمَا لِرُومِ الرُّومِ وَيُخَلِّيَ بَيْنَهُمْ وَصَلْبَهُمْ فَانْهَضُوا
 عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَعَلَى بَيْنَهُمْ وَصَلْبَهُمْ حَتَّى يَلْقُوا
 مَا مِنْهُمْ وَعَلَى مَا فِي هَذَا لَكَ تَعْمَلُ اللَّهُ وَذِمَّةُ
 رَسُولِهِ وَذِمَّةُ الْخُلَفَاءِ وَذِمَّةُ الْمُهَنِّينَ إِذَا
 أَعْطَا الَّذِي عَلَيْهِمُ مِنَ الْجَزِيَّةِ شَهِيدًا عَلَى ذَلِكَ خَالِدُ
 بْنُ الْوَلِيدِ وَعُمَرُ بْنُ الْعَاصِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ
 وَمَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ كَتَبْتُ خَصْرًا لَهُ

کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں انکے ساتھ ہونے
 نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ وہ شہر میں
 کی طرح جزیہ دین اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں
 میں سے جو شہر سے نکلیں اسکی جان اور مال کو ہن تہا انکے
 وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیا ہی میں رہنا
 اختیار کرے تو اسکی بھی امن ہو اور اسکو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا
 والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لیکر یونانیوں کے
 ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور انکے گرجاؤں کو اور ایلیا
 کو امن ہی میں تھک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں
 اور جو کچھ اس تحریر میں ہے۔ اس پر خدا کا، مول خدا
 خلفاء کا، مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ
 جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد
 بن الولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ
 اور معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ اور ۱۵ھ میں
 لکھا گیا۔

مذہب ہر طرح سے

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے

لے دیکھو تاریخ ابو جعفر حریری فتح بیت المقدس۔

محفوظ رہیگا، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی میں چیزوں سے تعلق
 رکھتے ہیں۔ گرج اور چرچ کی نسبت تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائیں گے نہ انکی عمارت کو کسی
 طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی
 کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ کلایکر ہون علی دینہ صحر، عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت
 عیسیٰؑ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا
 تھا اس لیے انکی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے، یونانی
 باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور حقیقت وہی مسلمانوں کے صلی عدو تھے۔ تاہم
 ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں، کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا
 چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہوگا۔ اور ان کے گرجاؤں
 اور عبادتوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں
 کہ وطن سے نکل کر دوسروں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے
 گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے، کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے
 ساتھ اس سے بڑھ کر انصاف نہ برتاؤ کر سکتی ہے۔ ۹

ملک پایاب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمہ داروں کی جان و مال کو، مسلمانوں کی جان و مال کے
 برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اس کے بدلے
 مسلمان کو قتل کر دیتے تھے، امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک
 شخص نے خیرہ قمر کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے

چنانچہ وہ شخص مسئول کے وارث کو جگانام حسین تھا حالہ کی گئی اور اُس نے اس کو قتل کر ڈالا مال اور جائیداد کے متعلق اُن کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُن کے قبضے میں تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کو اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا چنانچہ اس بحث کو تفصیل کے ساتھ جمل ملی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

مالگذاری جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ملکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ان شخص کو ذرا اور شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتا کر رقم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی ہے۔ ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں انکو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان انتظامات میں جبکہ تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور

بندوبست مالگذاری
بین ذمیوں کا خیال

ذمیوں کی انتظامات
میں مشورہ۔

استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی زمین

لے ادرائینی تخریج الہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۶۰ سہ کتاب الخراج صفحہ ۶۵ سے کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں

عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث وادبع واقفا علی حدیثہ بن ایمان و عثمان بوجع سے

وہو یقول لہما العلمکما حملہ الکادرض ماکلا تطیق۔

مدینہ میں بلا کر مالگہ زاری کے حالات دریافت کیے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں متوقف سے اکثر رائے لی۔

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے۔ بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ انکی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اسکی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اہل زراعت کو معاوضہ دیا، اصرار دہم اس کو معاوضہ میں دلوائے، اصرار کے حکام کو تاکید فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ خود بالمشافہہ لوگوں کو اسکی تاکید کرتے رہتے تھے قاضی ابوبکر نے کتاب الخراج باب الخیرۃ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لیے ان کو سزا دی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ناداری فرمایا کہ ”چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو میں نے رسول اللہ صلم سے سنا ہے کہ لا تعدوا الناس فان الذین یعدون الناس فی الدنیا یدہم اللہ یوم القیامۃ“ یعنی انحضرت نے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت پر قرار دیا کہ انکو عذاب پہنچائے گا، حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کے فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ مان کر فرمایا تھے۔

ذمیوں کی
شرط کا ایسا

وامنع المسلمين من ظلمهم ولا ضرارهم
 وكل اموالهم الا جملها ووقت لهم شهرهم
 الذي شرط لهم في جميع ما اعطيتهم
 ثم بنى تم نے اُن سے کی ہین سب وفا کرتے
 حضرت عثمن نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت
 فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ، اور بہت سے مورخین نے نقل
 کیا ہے اس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیہ بدمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ان یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جو خدا اور رسول
 بوقتِ پھر بعد ہم وان یقاتل من وراہم کا ذمہ لیا گیا ہو یعنی ذمی) کہ اُن سے جو عہد ہو رہا ہو اور ان کی
 وان لا یكلفوا فوق طاقتہم حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیا جائے
 اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے، اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
 گالی دی۔ غرقہ نے اس کے متہ پر پتھر پھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت
 کی، انھوں نے غرقہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی غرقہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص
 نے کہا ”ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے“ غرقہ نے کہا ”دفعوہ بالحد انکر یہ اجازت ہرگز
 نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیاں دیں۔ اُس سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے
 گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں“

ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ تحمل نہوں "عمر بن العاص نے کہا ان یہ سچ ہے اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے، علانیہ ناقوس بجاتے تھے، صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ اُن کے پیشانیوں پر مذہبی کوچہ مذہبی اختیارات حاصل تھے، بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹر پارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا پھرا۔ عمر بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ستھ میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیٹر پارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۹۲ جلد اول) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ خذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لا یغیروا عن ملت ولا یمال بینہم دین انما مذہبہم بلاحائیر۔ اور انکے مذہبی امور میں کچھ درست اندازی نہ کی جائے گی۔

جر جان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لھم لا امان علی انفسھم و اموالھم و مللھم انکے جان اور مال اور مذہب و شریعت کو امان ہو اور اس و شرایعھم و لا ینفروا من شیء من ذالک، میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔

اور باکیان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

مذہبی امور میں
آزادی
مذہبی امور میں
آزادی

اَلْاِمَانُ عَلٰی نَفْسِهِمْ وَاَمَالِهِمْ وَاَنْفُسُهُمْ شَرِّ الْعِصْمَةِ جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

اَلْاِمَانُ عَلٰی اَمَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ شَرِّ الْعِصْمَةِ جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصبِ خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا۔ لیکن بہن تک نہایتک و غطا اور پسند کے ذریعے سے ممکن تھا۔ ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کرویا کرتے تھے۔ کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ایتیق ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے، لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا اَلَا اَلَا کَرَاکَا فِی الدِّیْنِ، یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی

کو قتل کرتا تھا تو سیدر بیع اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیوں سے جزیہ اور عثور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جبکی مقدار دو دنوں سے زیادہ تھی، اس کے سوا عثور، مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اسکی شرح بقابلہ ذمیوں کے کم تھی، بیت المال سے والئیروں کو گھر بٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اس میں برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ

مسلمانوں اور
ذمیوں کی
ہم سہری۔

ہو سکتا ہے کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپنا بیج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا، اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی، اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولیدؓ نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے -

وجعلت لہما یشیمہ ضعف عن العمل	اور میں نے انکو جین دیا کہ اگر کوئی بڑھا شخص کام کرنے سے معذور
او اصابہ افت من الافات او کان غنیاً	ہو جائے یا اسپر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب
فاقتصر صراہل دینہ یتصدقان علیہ	ہو گیا اور اسوجہ سے اسکے ہم مذہب اسکو خیرات دینے لگے تو
طرحت جزیتہ و عمل من بیت مال المسلمین	اسکا جزیرہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اسکو اور اسکی اولاد کو مسلمانوں
و عبائہ ما اقام بدرا لہجرة و ذاک الا سلامکم	کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمان نہ بنیں بلکہ
فان خرجوا الی غیر دار لہجرة و ذاک الا سلام	میں رہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں
فلیس علی المسلمین النفقة علی عیالہم	پر اسکا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا۔ یعنی بیت المال کے دار و نہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الْمَسْكِينِ (صدقہ اور خیرات، فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان، اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کین سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ

بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں حضرت
عمرؓ اس کو ساتھ گھر پر لوالا لے۔ اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے
مغذروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ
دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جو انی سے ہم متمتع ہوں اور
بڑھاپے میں انکو نکال دین“

ذمیوں کی عزت
کا خیال

ذمیوں کی عزت و ابرو کا اُسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا، اُنکے
نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عیسٰی بن سعد جو
جمہور کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ دارانِ خلافت میں کوئی
ہمسر نہ تھا۔ ایک دفعہ اُن کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخذ اَللّٰہ
یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے۔ اس پر ان کو اس قدر مذمت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت
میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفا دیدیا۔ اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی
ایک خاص بات جو سب سے بڑھکر بحاط کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش
یا بغاوت کی تب بھی اُنکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ اس جمل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی
کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ انکی تمام عنایت اُسی وقت تک ہے جب تک انکی طرف
سے کوئی پُیشگی شہید نہ ہو۔ ورنہ دفعہ وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور
ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی توین بھی اُس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔

سازش اور بغاوت
کی حالت میں
کے ساتھ سلوک

برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جاوہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عرلیسوس تھا اور جس کی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی مستح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے۔ اور ادھر کی خبریں انکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عیبر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے انکی اس کینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عیبر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر انکی جائداد۔ زمین۔ مویشی۔ اور اسباب ہے، اس شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدو، اور ان سے کہو کہ اور کین چلے جائیں، اگر اسپر راضی نہ ہوں تو انکو ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلاوطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شہرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذہبیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذہبیوں نے ہر موقع پر خود اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے متقابل میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ وہی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں دینا بازار لگاتے تھے، اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل طیار کراتے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے برقم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انھنی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذہبیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اہلاص پیابو گیا تھا انکا اندازہ

اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت بات میں لیکر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے، عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کے نسبت کمین بھگ کر ہو چکے" اخیر میں یہ کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے جنگی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یا خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافی سلوک کئے۔

مخالفت کی طرف
اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمزین نہ بنا رہیں لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی کین، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں۔ شراب اور سور نہ پینیں۔ ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ لگالیں۔ بتو غلبہ کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطلاح نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا۔ اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے بھلا وطن کر دیے۔ بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی تدار

تفصیل سے کام لیں گے۔ کیونکہ ایک زمانہ تمتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔ لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس

لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیون کا قدیم لباس تھا، یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا حضرت عمرؓ کا معاہدہ جبکو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے، اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم دیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیون کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلان فلان لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں۔ وَأَنْ نَلْزِمَ سَرَبِنَا حِثَّ مَا كُنَّا۔ یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زَنَارُ جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اسکی نسبت ہمارے فقہانے اکثر غلطیان کی ہیں۔ انکا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جینو ہوتا تھا، اور اس سے ذمیون کی تحقیر مقصود تھی۔ لیکن سخت غلطی ہے۔ زَنَارُ کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، پیٹی کو عربی میں مَنْطَقَة بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زَنَارُ اور مَنْطَقَة مرادف الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔ کنز العمال میں بہیقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سردارانِ فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وَلْتَلْزِمُوا هَؤُلَاءِ الْمَنَاطِقَ یعنی الزناذیر، اسی زَنَارُ کو کہتے ہیں کتے تھے چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زَنَارُ کے کتیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی

اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مرجع الذہب میں لکھی ہے، "ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذیمون کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا۔ وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ ایسی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جبکہ نمونہ پارسیوں کے سر دن پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس میں بیٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنار۔ یا منطق۔ یا کستج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی۔ منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی۔ اب یہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس حضرت عمرؓ نے ذیمون کے لیے قرار دیا تھا۔ وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور انکی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

ذیمون کوئی عبادت گاہ بنانے شراب پیچنے۔ صلیب بٹھانے، ناقوس پھونکنے۔ اہلبطیان دینے سے روکنا بے شہہ مذہبی دست اندازی ہے۔ لیکن میں بیاگانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدون کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے ان قیدون کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادى اهل الاسلام صلیبا، یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی۔ یضربواواقیسہم فی اى ساعۃ شأوا من لیل

ادفصار الاخری اوقات الصلوات یعنی رات دن میں جس وقت چاہیں، تا قوس بجائیں
بجز نماز کے اوقات کے "سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ڈکائی جی اخذ زید امن مناد لہو
الی آفینہ المسلمین یعنی دومی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کچھ شہ رہ سکتا ہے کہ صلیب بھکان، یا تا قوس بجائے ممانع
نہ تھا، بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی، اور ان حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف
انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابلِ ملاحظہ امر، بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد
کا اصطبلغ نہ دینا ہے۔ عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطبلغ
دیدیتے ہیں، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے
پائے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے۔ بے شہر حضرت عمرؓ
کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اُس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا
یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے
تو اسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا انکے
خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو اصطبلغ دیکر عیسائی
بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے اس صورتِ خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطبلغ
نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں۔ اور یہ حکم بالکل مسترین انصاف ہے۔ کیونکہ جب اُس کا
باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔ علامہ بطریق

اصطبلغ نہ دیکر

جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صحیحین یا الفاظ نقل کیے ہیں علیٰ ان لا ینصرفوا
 وکیلہما من اسلمہ اباؤہم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جنکے باپ سلمان ہو چکے انکی
 اولاد کو عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا ینصرفوا الا ذہم اذا اسلمہ اباؤہم۔
 یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کون
 سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی، بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام
 قبول کر چکے تھے۔ اس لیے انکی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ
 علامہ طبریؒ نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انھی سے
 معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں
 کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سورہ لائین، خاص نماز کے وقت
 ناقوس نہ بجائیں۔ نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطبلغ نہ دیں۔ تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب
 سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے اس
 احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدامین بھی جو تعصب کی تر طبیعت رکھتے تھے ارادہ
 میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں
 لیکن چونکہ ظاہر میں خیفیت تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، دستہ رنبر
 غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سر تا پا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے

بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ انھوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا۔ اور ان پر
فقہ کے مسائل تفریع کر دیے۔

عیسائیوں کے
جلاوطن
کرنیکا مار

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی
زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے، نیز جب فتح ہوا تو ان سے کمدیا گیا تھا
کہ جس وقت مناسب ہوگا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں
انکی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالاخانے سے ڈھکیل دیا جس سے انکے
ہاتھ میں زخم آیا۔ مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان
کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا، چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کیسے
تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اُس کی اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں
کیا گیا تھا۔ لیکن انھوں نے چپکے چپکے جنگی طیارے یاں شرمعیہ کیں، اور بہت سے گھوڑے اور
ہتھیار متیا کیے حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے انکو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔
غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیشکل ضرورتوں
اور وجہ سے جلاوطن کیے گئے، اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا، البتہ
محاذ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کا رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ خدا کے
یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک اتفاقاً رخصت ہو سکا کہ انکی زمین اور باغوں کی قیمت کا

تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوادٹی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی انکی زمین کی قیمت دلوائی۔

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، انکو امن کا جو پر واندہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔
عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لیے انکو زمین وین جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ ان کی مدد کرے۔ ہم یہیں تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب النخروج میں اس معاہدہ کو بالفاظ نقل کیا ہے۔
ایک ایسی فوج جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں، اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کیجا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانوں (اردو۔ انگریزی۔ عربی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے، تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شرع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔

لے نوح صفحہ ۲۹۔ سہ ایضاً سہ کتاب مذکور صفحہ ۱۴۱۔

جزیہ کی بحث

اولاً تو انھوں نے نوشیروان کی طرح جزیرہ کی مختلف شہریں قائم کیں، اور اس طریقے سے گویا
صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اس کے علاوہ موقع بہ موقع
عملی طور سے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا مواضع ہے۔ اس کتاب کے پہلے
حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے، اسلامی
فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں، اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ
جزیرہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق وغیرہ دمان کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ
ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو جزیرہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی، اور صاف
کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمھارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لیے
جزیرہ لینے کا بھی ہلکو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں
سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیرہ معاف
کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود ستمین عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ

يَسْتَعِينُوا مِنِ احْتِاجِ اِلَيْهِ مِنَ الْاَسَادِۃِ یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو

وَيَرْفَعُوا عَنْهُمْ الْجِزْيَةَ اُس سے مدد لو اور ان کا جزیرہ چھوڑ دو

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا
جزیرہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ ستمین جب آذربائجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ
فرمان لکھ دیا گیا۔

اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیرہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار دیے جانے لگے۔

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا۔ اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی، غلامی نہیں، بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ سربین تو انھوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عمان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے، سب آزاد کر دیے۔ اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، ان کا قول ہے کہ لا یسترق عوبی۔ یعنی عوب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فقہان کج اس اصول کو تسلیم نہیں کیا، امام احمد بن حنبلؓ کا قول ہے کہ لا اذهب الی قول عمرؓ لیس علی عوبی ملا۔ یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں، یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عوب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔ غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو

عوب کا غلام نہ ہو سکتا۔

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔ ۲۔ کنز العمال میں امام شافعیؒ کی روایت سے یہ قول منقول ہے۔ دیکھو کتاب ذکر

صفحہ ۳۱۲۔ جلد دوم سے مستقی الاخبار لابن تیمیہ۔

اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا انکی غلامی میں دیدیجائے، ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی، لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے، تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے انکی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کر درون آدمی بستے تھے لیکن غلامی کا جہان جہان پہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہ ان بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے۔ عراق اور مصر میں جو بجائے مستقل ملکیت میں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیے گئے، تو حضرت عمرؓ نے سب کو جابجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

شام کے شہروں میں سے بصری۔ فحل۔ طبریہ۔ دمشق۔ حمص۔ حما۔ عسقلان۔ النطاکیہ۔ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے۔ غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کومان جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیے گئے تھے۔ کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان۔ جندی۔ ساہور۔ شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے

کہ لایسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔
 مثلاً ذرین باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔
 لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو، اور خرچ و جریمہ مقرر کر دو، ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا
 کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس
 لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بچی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی
 نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی
 بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کے اولیات
 لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبہ
 کہتے ہیں۔ یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کر دوں گا
 جب وہ زمیندار اور کوتاہ ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود مسلمان مجیدین موجود
 فکاتبواھم ان علمتم فیہم خیراً، لیکن فقہا اس حکم کو دجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو
 اختیار ہے معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو دجوبی قرار
 دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام، سیرین نے مکاتبہ کی
 درخواست کی انسؓ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے انسؓ
 کو دوسرے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سن دین بیش کی۔ آخر انسؓ کو مجبوراً مانا پڑا۔

اس موقع پر حضرت شہرناو ضحیٰ کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر تاخیر رہی۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد و شہنشاہ فارس کی بیلیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لونڈیوں کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ پھر یہ لونڈیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں، اور اُس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا۔ اور ایک امام حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکر کو، ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زرخشری نے جب کوثر تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الابراہیم اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؓ کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کر دی، لیکن محض غلط ہے، اولاً تو زرخشری کے سوا بطری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زرخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد و خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدینہ کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا، اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ صفہاں بھاگ گیا، اور پھر کرمان وغیرہ میں مکرنا پھرا۔ مروین پہنچ کر سترہ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہی مارا گیا، اسکی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہونگے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زرخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کی عمر

۱۲ برس کی تھی، کیونکہ جناب مدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور قاسمؑ نے
 مین فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؑ نے انکی بالغی میں ان پر اس قسم
 کی عنایت کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گران قرار پائی ہوگی،
 اور حضرت علیؑ نہایت اہل داند اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان
 نہیں ہو سکتا حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہو چکا ہے وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب
 و انسانیت کا مقتضاتھا اور جو آج بھی تمام مذہب ملکوں میں جاری ہو، عربوں بالخاص نے جب مصر
 پر چڑھائی کی تو اول مجلس پر حملہ ہوا سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار
 ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارماتوسہ تھا، یہیں مقیم تھی وہ بھی گرفتار ہوئی۔ عمرو
 بن العاصؓ نے اسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا اور فرید احتیاط کے لیے اپنے ایک
 سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص بھی تھا۔ ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔

شہابی خاندان
 کے اسیران جنگ
 کے ساتھ برتاؤ

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لیے کیے لیکن جو لوگ غلام بنائے
 گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی۔ فوجی انتظامات
 کے بیان میں تم نے پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو انکے
 غلاموں کی بھی انھیں کے برابر تنخواہ مقرر کی، بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انھوں نے یہ اصول
 ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال تھے انکی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت
 کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی

عام غلاموں کے
 ساتھ مراعات

عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اسی جہرم پر اسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے، اکثر غلاموں کو
 بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ ”خدا ان لوگوں پر رحمت کرے جنکو
 غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے“ سردارانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو
 کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائیگی۔ اور فوج کو اسکا پابند ہونا ہوگا
 چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے ان عبدالمسلمین من المسلمین و ذمتہ من ذمتہم بھی ذامانہ
 غلاموں کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے

غلاموں کا اپنے عزیز
 و اقارب سے جدا
 نہ کیا جانا۔

بیٹا باپے چھٹ جاتا تھا بیٹی مان سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی بُرائیوں پر مضامین
 لکھتے ہیں، اور اسی واقعہ کو در و انگریز صورت میں دکھاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ
 کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونے پائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ
 آئے، اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے۔ باپ بیٹے، بھائی بہن۔ مان بیٹیاں کبھی تھیں
 تو ساتھ لگتی تھیں۔ اور بیٹی غلامی میں ہوتی تھیں ساتھ ہوتی تھیں۔ اس باب میں اُنکے جو احکام میں آئے
 کنز العمال میں مستدرک حاکم، ہیثمی مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ ہیں

لا یفترق بین اخین اذا بیعا یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائے
 لا یفترق ابین الامم و ولدھا یعنی بچہ مان سے الگ نہ کیا جائے۔

لا یفترق بین السبا یا و اولادھن، یعنی نوذبی غلام جو زناتہ کو کرئین تو بچے مان کے معہ نہ لے جائیں
 حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر

استلال کیا، وکالت قطعوا الرحا مگر اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے چنانچہ میں واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور ہیثمی نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب سمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور ان کے بیٹے شریجیل کو کہ فرین کسی کام پر مامور کیا، تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو غلاموں نے دکھائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گرد وہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جنکی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔

عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور جنکو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتوے کی اجازت دی تھی۔ مافق جو امام مالک کے استاد تھے، اور جنکی روایت کے سلسلہ کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ

تھے۔ علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدینؓ کے حال میں لکھا ہے کہ ”مدینہ منورہ میں لوگ کینزوں اور کینز زاون کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکرؓ کے

پوتے) اور سالم (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام زین العابدینؓ عسینؓ رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی

ستد بڑھ گئی، لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عکرمہ کا طریق عمل تھا۔ بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدینؓ کا نام اس سلسلے میں لیتا ہے ابوی خیال

کرتا ہوں، کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے اہماتِ اولاد کا وہ ترس نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ملتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدا نخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ سناویا نہ برتاؤ کو کون جو بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المغرین غلاموں کے متعلق آنحضرتؐ کے جو افعال و اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

خلافت فارقی، بیسوطِ عالم میں کمان سے کمان تک پھیلی ہے۔ اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب، مختلف قوانین اس کے وارے میں داخل ہیں لیکن اس میں سے اس میں سے ایک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے، دنیا میں اور بھی ایسے صاحبِ جاہ و جلال گذرے ہیں جنکی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جسکے اصول یہ تھے، کہ بغاوت کے ذرائع احتمال پر دفعۃً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے۔ وحشیانہ سزائیں دی جائیں۔ آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے، اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

عام سلاطین اور
حضرت عمرؓ کے طریق
سیاست میں فرق

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عربوں والوں نے بار بار غمگینی کی تو انکو جلاوطن کیا لیکن اس طرح کرائی جا کر اودال، اسباب کی مفصل فہرست طیار کر کر ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ پھر ان کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی طیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی ہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کر دیا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ انکی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی اور علون کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو انکے آرام کے سامان ہم پہنچائے جائیں۔ اور جب یکمین مستقل قیام اختیار کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی بات آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اس لیے انکو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی لیکن یہ خیال صحیح نہیں حضرت عمر کو سچ پچھو تو حقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر توین جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس لیے انکو رعیت بنا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت صاحب سوار و عام وجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشاک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مولفہ القلوب کا کردہ تھا جبکہ قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں عمرو بن العاص جو مسر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکو خرنج کے معاملے میں تنگ کر دیا تو انھوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے جاہلیت میں امیر باپ جب کجواب کی قبایز بدن سلہ ان واقعات کو ہم ذمہ کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہ ان کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی
مشکلات

کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھ لا دے پھرتے تھے۔ آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھے حکومت جبارا ہے۔" نبوہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کے ہوتے تھے تیری درعدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالہ المتحارین لکھتے ہیں "زیر وجہ جمع از نبوہاشم دفعاً حضرت فاطمہؓ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشوراً بکاری بروند"

حضرت عمرؓ کی سطوت نے نبوہاشم کے اَدعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ ادیہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمان روا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا عجب وواب قائم رکھتے تو چند ان قابلِ تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ اور چمکاتے تھے۔ بارہا مجمع عام میں لوگ پتہ نہایت آزادیہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر میں جب انھوں نے مجمع عام میں حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اُٹھ کر کہا،

واللہ ما عدلت یا عمر! لقد نزعنا عاملاً یعنی بے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا، تو نے رسول اللہؐ کو عال استعمال رسول اللہ و غمدت سیف اسلہ رسول اللہ کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول اللہؐ کی کھنچی ہوئی تلوار کو نیام میں ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العیر ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچ پر حسد کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سب سن کر صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔

لے ازالہ المتحارین، حصہ دوم صفحہ ۲۹۔ لے اسد الغایہ تذکرہ احمد بن حفص المنجد ص ۱۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و دواب تھا کہ حضرت خالد کو عین اُس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے، معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا، اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمر بن العاص کی شان و شوکت محتج بیان نہیں لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے انکو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے درجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے سامنے انکو اسی مضروب کے مات سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جوا بدہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی برابر اور فرمان روا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ انکی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں حکومت میں شاہ و گرد امیریت و رذیل، عریز و بیگانہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

جبلہ بن الایم غسانی۔ شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا، اور مسلمان ہو گیا تھا، کعبہ کے طواف میں اسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پانوں کے نیچے آگیا، جبلہ نے اسکے منہ پر پتھر پھینچ مارا۔ اُسے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصے سے جتا ہوا گیا، اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے اسکی شکایت سن کر کہا کہ ”تم نے جو کچھ کیا اسکی سزا پائی“ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا“ اُس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

اصولِ مساوات

مذہب ہو جن شریف۔ ذلیل کی کچھ تیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عمروالانؓ کی کوچ کے زمانے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس

کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے، اس مجمع میں عمرو بن العاصؓ گورنر مصر اور بڑے بڑے قبیلہ کے حکام اور عمال موجود تھے ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلان عامل نے جو بھجوا دیا تو دوسے مارے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اٹھ اور اپنا بدل لے“ عمرو بن العاصؓ نے کہا ”میرا زمینیں اس طریق عمل سے تمام

عمال بیدل ہو جائیں گے“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہوگا“ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہو کر

کہا ”اپنا کام کر“ آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس بات پر رضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے

ایک دفعہ عمروالانؓ قریش کی ملاقات کر آئے، اتفاق سے صہب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن

سے اکثر آواز و شندہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے

اول انھی لوگوں کو بلایا اور عمروالانؓ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیانؓ جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سر رہے تھے

انکو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے؟ غلاموں کو دربار میں جانے کی

اجازت ملتی ہے اور ہلوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔“ ابوسفیانؓ کی یہ حسرت اگرچہ انکے اقران کے

بذوق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو

عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، لیکن جو اپنی شناس

سے پیچھے پیچھے آج بھی پیچھے رہنے کے متقی ہیں“

لے کتاب الخراج صفحہ ۶۶ لے اسد الغابہ تذکرہ سیل بن عمرو۔

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافقت کا موقع پیش آیا۔ سردارانِ قریش اور مغزِ قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خواہشمند تھے بڑے دعوے کے ساتھ منظر پر آئے کہ تنخواہ کے تقریر میں حُظراتِ اہل بیت کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست میں ان کے نام، سب سے پہلے نظر آئیں گے لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کے تمام خیالات غلط کر دیے۔ اُنھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں پیش و کم مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے، یا جہاد میں کارنامے نمایاں کیے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے، اُن کی غیروں پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو اُنھوں نے غدر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

 ”ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔“

 اہل عرب کا شمار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی بے پکارت تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لیے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ ”جو لوگ ایسا کریں انکو سخت سزا دی جائے“ ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضمیمہ کے قبیلہ سے تھا۔ لڑائی میں یا آلِ ضمیمہ کا نعرہ مارا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لیے اسکی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اول بہرے سے واقعات تاریخوں میں لے توح البلدان صفحہ ۴۵۶۔

ماتے ہیں۔

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن حاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو؟“ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نفوذ اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابوبی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ انکے پاس گئے تو انھوں نے تنظیم کے لیے جگہ خالی کر دی حضرت عمرؓ نے کہا ”یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی“ یہ کہہ کر اپنے رفیق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بعید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھتا تھا۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں کوئی شخص انکو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں، قیصر و کسریٰ کے اچھی مسجد نبوی میں اگر ڈھونڈتے تھے کہ شاہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ وہ ہیں، پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جنگی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لیے عام ملک پر اس کا تاثر عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے

وہ روز بروز متعرف ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے۔ وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے میں اپنی خود رانی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب جو انہی یہود و منافق کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جسکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدانِ کارزار بن گیا تھا انکی باہمی رقابت اور مخالفت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لیے امیر المومنین کا پر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عمدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفارِ عرب انحضرتؓ کو امیر کہہ کر کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عمرؓ بن العاص نے اطلاع کی، اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرتِ عام ہو گئی اس موقع پر ممکن ہے کہ

لے مقدمہ ابن خلدون فصل فی القباہ بامیر المومنین ۳۵ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ مطبعہ آراء صفحہ ۱۸۴۔

امیر المومنین کا
لقب کیوں
اختیار کیا؟

عرب، ایران، شام و مصر۔ اس لیے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لیے انکی پولیسنگ تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل راجم ہو گئے۔ چنانچہ روماء عراق میں سے ابن النخیر جان، بطام بن نرسی، ریفیل، خالد جمیل کے معقول روزیئے مقرر کر دیے۔ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جامداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لیے انکی طرف سے چندان اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجائے ایک عادل اور نصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انھوں نے بارہا کہا کہ ”ہمکو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں“ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث رومیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ شخص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر میں معقول مصر کا باشندہ۔ اور رومیوں کی طرف سے ناسب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا۔ اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کر دیے اور فوجی چھاؤنیان قائم کر دیں جن کی وجہ سے سیکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا۔ اور کسی کو بغاوت کی جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ کوثر و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیان اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں انکو مختلف پولیٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے جسکی نسبت زیادہ زور پاجانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے انکو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے ہما پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”آپ لوگ یہ دولت بہت جمیع کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا لا تخرجنی اقلندوا ایمینا شہا لائے۔ ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ ”آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں“ فرمایا ”اس سوال کا جواب نہ دینا دینے سے بہتر ہے۔“ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیے۔ صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا۔ پھر ایک مقتول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور و بڑے اور صاحبِ اوعا تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ ہما تملکی کے انجام دینے کے لیے ان لوگوں سے بڑھکر تمام عرب میں کوئی شخص ہما ت نہیں آسکتا تھا اس لیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تہرین کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت

کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔
 سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے، لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں
 تمام دنیا پر جو امتیاز چل رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو
 کام کیے انکا واقعی نام - خدع - مکر - فریب - ظاہر واری، اور تفاق تھا۔ بادشاہوں پر ہوتوں
 نہیں بڑے بڑے رفتار مر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی
 پر فریب اور حکمت علی کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے اور لوگوں
 کو صاف صاف اسکی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو تمام
 اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

إِنِّي لَكُمُ اعْلَى خَالِدًا عَنْ سَخَطِي وَكَأْخِيَانِي ۖ
 یعنی میں نے خالدؓ کو ناراضی یا بغاوت کے جرم میں نہیں معزول کیا بلکہ سوچ کر لوگوں کی
 وکوفۃ الناس فتناوبہ فخت ان یو کلوا الیہ ۖ دن زیادہ مال ہوتے جاتے تھے ایسے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کر لیں۔
 غشی کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے۔ اور فرمایا لعلہما عن
دبیۃ ولکن الناس عظموا فختیت ان یو کلوا الیہما، بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی
 خدشہ نہیں دین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صاف اسکی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک
 دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا
 سبب یہ ہے کہ انھوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزون پرزے استعمال کئے تھے

یہ عموماً مسلم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت، ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس فریضہ سے اُنھوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انھیں قابلیتوں کے لحاظ سے انکو مناسب عہدے دیے تھے۔ سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمر بن العاص، یحضر بن جبشہ، زیاد بن سمیہ۔ چنانچہ ان کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں، اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

عہد داران سلطنت
کا عہد انتخاب

جب تک تمہات کے لیے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا عمر حدیکہ سب اور طلحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو ڈالنا نہیں سکتے تھے۔ اس لیے ان دونوں کی نسبت حکم دیدیا کہ انکو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دیجائے۔ زید بن ثابت، و عبد اللہ بن ارقم انشا و تحریر میں مستعد تھے۔ انکو میرٹھی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور سلمان بن ربیعہ، عبد اللہ بن مسعود، فضل قضایا میں ممتاز تھے انکو قضا کی خدمت وہی غرض کہ جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُنہی کے لیے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مؤرخ لکھتا ہے کہ ”عمر نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا در عایت کیا۔ اور غیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا۔“

سب سے بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جسکی وجہ سے اہل عرب انکی سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس کی وجہ سے دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی لیکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جراحیم کی پادش میں کسی

بے لاگ عدل
و انصاف -

عظمت دشمن کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آلِ اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ انکے بیٹے ابو شجر نے شراب پی تو خود اپنے مات سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ پیارے قہما کر گئے۔ قدامت بن مظعون جو ان کے سارے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے جب اسی بزم میں ماخوذ ہوئے تو علامہ ان کو ۸۰ وڑے لگوائے۔

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں، اسکو اختیار کرتے تھے، خرچ، غشور، دفتر، رسد، کاغذات حساب، ان تمام انتظامات میں انھوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہان کوئی نقص پایا اسکی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے انکے پاس آئے اور انھوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیرہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص میں وہی اصول ٹھونڈا رکھے جو نو شیروان نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہان نو شیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وہی الوضایع التي اقتدی بها عمر بن الخطاب یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا اسے ابو شجر کے قصے میں و اعطون نے بڑی رنگ آمیزیان کی ہیں لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو شری مزادی اور اسی صفت انھوں نے انتقال کیا (دیکھو محفل بن قتیبتہ۔ ذکر اولاد عمرؓ) ۲۱ سے کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حین افتخار بلاد الفرس^۱۔
توان کی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارت الائم ہے، اس میں جہان حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ

وكان عمر كثير الخلق بقوم من الفرس يقرؤن
عليه سياسات الملوك ولا يسمعون له العلم الفضل
وسما انفسهم ان فانه كان معجبا بهما كل شي
لاقتداء بهما،
يعني عمر فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے یہ لوگ
انکو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھاتا کرتے تھے خصوصاً شاہان
عجم اور ان میں بھی خاص کر زشیروان کے اسیلے کہ انکو زشیروان کے
آئین بہت پسند تھے اور وہ انکی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عمرؓ مأمور خون نے لکھا ہے کہ
جب فارس کا گیس ہر فرمان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اسکو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا
اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہے
پائے۔ انھوں نے انتظامات ملکی کے ہر جز پر پور پور توجہ دی اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جسکی ذمہ
ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچنا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يجتفي عليه شئ في عمل اكتب اليه من العراق
بغزوهم من خرم ومن الشام بجاية من اجياد فقهه،
يعني عمر کو کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں کو مقرر کیا اور
شام میں جن کو مقرر کیا وہ انکو تمام دیے گئے جسکی تحریریں انکو پہنچتیں۔

۱۔ تاریخ کبیری صفحہ ۲۶۲ سے یہ کتاب تنظیم کیے گئے تھے مسجد اقصیٰ میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخے سے نقل کیا ہے صفحہ ۲۵۲۔

واقفیت حالات
کے لیے پھر نویں
اور واقعہ نگار۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو سعدی کرب کو دو ہر حصہ نہیں دیا۔ عمرو سعدی کرب نے دھڑپوچی، انھوں نے کہا تمہارا گھوڑا دو غلا ہے، اس لیے اس کا حصہ کم ہو گیا، سعدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں، دو غلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی۔ عمرو سعدی کرب کو سخت تنبیہ کی جبکی وجہ سے انکو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرات نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے۔ دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انھوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لَعَلَّ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَسُوْءُ كَا - غَالِيَا امِيرُ الْمُؤْمِنِينَ كُوْخِرُ نَهْجِيْ كِي تُوْه بُرَامِيْنَ كِي

میں نے دیکھا بالجوئی سق المتھدد م کہ ہم لوگ محلوں میں زندانہ محبتیں رکھتے ہیں۔

حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر غنمی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد نبوت میں

وہ آنحضرت کے محرم راز تھے۔ اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے۔ حضرت عمر نے

ایک دن اُن سے پوچھا کہ ”مناقیقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں

اور عہدہ داروں میں بھی ہے۔“ انھوں نے کہا ”ہاں ایک شخص ہے!“ حضرت عمر نے نام

پوچھا لیکن انھوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ ”اس

نے کے بعد حضرت عمر نے اس کو معزول کر دیا جس سے میں نے قیاس کیا کہ انھوں

نے خود پتہ لگا لیا۔“ اسی شخص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال اُنکے مشورہ

اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی سے اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے، علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وكانوا لا يدعون شيئا ولا ياتوا الا وامنوا به۔ یعنی لوگ کوئی کام اُنے بغیر دریافت کیے نہیں کرتے تھے۔

بیت المال اپنی خوانہ کا بہت خیال رکھتے تھے، اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے

باہر نہیں بچھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا پڑھا و جمع تھا اسکی نسبت فرمایا کہ

لقد هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا۔ یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے

بيضاء لا اذقمت۔^۱ سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ

کو خبر ہوئی، وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ ”ایسر المنین! اس میں سے میرا حق کچھ عنایت

کیجیے کیونکہ میں ذی القربیٰ میں سے ہوں“

حضرت عمرؓ نے کہا! جان پدر! میرے خاص مال میں ہے لیکن غنیمت کا مال

ہے۔ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا؟ وہ بیچارہ بی غنیمت ہو کر اٹھ گئیں۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے۔ اور خط و کتابت رہتی رہتی

تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی

چند شیشیاں بھیجیں، اُس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جو اہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ

کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تھا راتھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا۔ اور اس کے

مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیے گئے۔ غرض وہ جو اہرات لے کر بیت المال میں داخل

۱۔ طبری صفحہ ۲۸۸ صحیح بخاری باب کسوة الکعبۃ۔ ۲۔ سند احمد حذیل۔

بیت المال
کا خیال

کر دیے اور انکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جاکر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں گا۔ اس کا ردائی سے طلب اجازت کے سوائہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہمات میں شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لیے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دین، حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ انکے اور انکی بی بی بچوں کے لیے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ قریبی روزیہ داروں میں جب بدر مین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لیے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ سو درہم سالانہ بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی میں سے فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اسکی یہ تعداد تھی۔ انکی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پیٹھے کپڑے پہنتے تھے۔ زمین پر سوہتے تھے، مہینوں گھوٹ کا آٹا گھڑین نہیں پکتا تھا۔ اسکی وجہ کچھ رہبانیت اور جگر پیٹ نہ تھا، بلکہ وحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی اتفاقاً کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو ان کے شرف اور

خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہربانہ دھا اور اُسی وقت ادا بھی کر دیا۔
 نبوہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انکو خوف تھا کہ نبوہاشم چونکہ
 خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں۔ اس لیے باوجود دو ہمتندی کے خمس میں سے اپنا
 حصہ لے لین گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر
 منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئے گی، انھوں نے نبوہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی
 کا اظہار بھی کر دیا تھا، جمہور کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن
 چونکہ انکی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لیے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی مینک شیء یعنی میرے
 دل میں تمھاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

افئ خشیئت علیک ان تاتی علی الفی لندی ھوایث یعنی مجھکو ڈر ہے کہ تم حاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔

یہ صرف سوا ظن نہ تھا۔ بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب

حضرت عبداللہؓ کو عامل مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی، اور جب
 حضرت علیؓ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شکاری اور ننگ درزی

برقی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں دو گن
 نے انیسویں جو شوشین کین، اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے
 متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دارالخلافہ سے سیکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں بھیجی ہوئی تھیں جنکی ایک ایک حرکت انکے اشاروں پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا، اپنے ذاتی اشتغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی ہرج نہیں ہوتا تھا۔ ہناوند کا سخت معرکہ حمین تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اُسی زمانے میں سعد وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی، جزیرہ والوں نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام نامکے روک دیے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے،

زیاد بن حذیر عراق میں۔ وہ یہاں کی تحصیل پر مامور تھے، انھوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت میں ہزار قرار دیکر محصول طلب کیا، اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار محلو حوالہ کیجیے، دوبارہ وہ عیسائی انکی سرحد سے گذرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو، عیسائی زیاد بن حذیر کے پاس واپس آئے اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لے، یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہنچ پہنچ چکا تھا کہ ۱۰ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اُس وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے

تمام کاموں کا
وقت پر انجام
پانا

اسی حالت میں اُس نے شکایت پیش کی، فرمایا نہیں دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ ”میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں میں وہی عیسیٰ (مسلمان) ہوں جس نے تمھارا کام انجام کر دیا۔ عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔“

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و قافہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جعفر اپانج، اذکار رفقہ، مقلون وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں، لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جنکو گھریٹھ خوراک ملتی تھی، اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جہیز آٹا پکایا جائے ایک کرٹیاں ہوا تو ۳۰-۴۰ دیون کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دو دن وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مینے بھر کر خوراک کے لیے دو جہیز آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے اعلان عام کے لیے منبر پر چڑھے اور بیان بات میں لیکر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو کھائے گا اس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت میں ہے کہ بیان بات میں سے کر یہ الفاظ فرمائے۔

رہا عام

انی قد فرشت لکل نفس مسلمة فی شہسہا یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو روز گھوٹا اور

دو قسط سر کر مقرر کیا

مُدی حنطہ وقسطی خل

لے یہ دو دن روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۹، ۸۰ میں ہیں لے قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی، فرمایا مان غلام کے لیے بھی۔ غریبا اور
مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُن کے روزینے مقرر کر دیے جائیں
چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر زمین کے حقوق میں لکھ آئے ہیں) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ
خدا کے اس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ، فقرا سے مسلمان اور مساکین سے
اہل کتاب دین۔ اکثر شہرین میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافر کو بیت المال کی طرف سے
کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوئٹہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوئٹہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں، مدینہ منورہ
میں چونگر خانہ تھا اکثر دہان خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

اولاً و لقطہ یعنی گنہام بچے جنکو انکی مائیں شاہراہ وغیرہ پر پڑا دیں جاتی تھیں اُن کے لیے
سہ ماہ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اسکے دو دھ پلانے اور دیگر مصارف کا
انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ ان مصارف کے لیے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر
ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیموں کی پرورش، اور اگر انکی جائداد ہوتی تھی
تو اسکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے، اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اسکو ترقی دیتے
رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ ذکوۃ
نکلانے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے، تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو، چنانچہ
دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

لے یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۶۰۶ میں ہے اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت

۱۸۰ مین جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب غریب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قزح کی راہ سے بیس ہزار روانہ کیے جنہیں سے ایک ایک مین تین تین ہزار اور ب غلہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان ہمارے ملاحظہ کیے لیے خود بندر گاہ تک گئے جھکا نام چار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہی بندر گاہ میں دوڑے بڑے مکان بنوائے اور زمین ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں، چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ جس طرح طیار ہوا، ہر شخص کو چاک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا، چاک پر حضرت عمرؓ کی ٹھہرت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے فروغ کرتے تھے۔ اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر بتوانے کے قابل ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کو اگر یہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا کچھ اہتمام تھا لیکن انکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جبکہ نتیجہ کاہلی اور نفست خوری کا رواج دینا ہوتا ہی، ایشیائین مسلمانین امر اور کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس جہان ایک بادشاہ کی طرح نکلتی ہے، دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر دل لگا رہنا ثابت ہوتا ہے، یہی ایشیائی فیاضیان تھیں جس سے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی

۱۸۱ یہ تفصیل بیہقی صفحہ ۱۸۰ میں ہے اخیر کے فقرے یہ ہیں۔ ثم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلہم و امر ان یکتب لہم صکاکا من قرطیس ثم یختتم اسافلہا فان اول من صلت و ختم اسفل الصکاک اربوب کم و یش دون کا ہوتا ہے۔

رافہ عام کے
متعلق حضرت عمرؓ
کی نکتہ سنجی۔

ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود بات پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بیخبر نہ تھے، وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی، یا جنھوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی، یا وہ جو صنعت اور بیماری کی وجہ سے خود کپ معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو رو نہیں کہتے تھے، محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اسکی بھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ ”جو مانگنا ہو مانگ“ علامہ ماورومی نے احکام السلطانیۃ میں لکھا ہے کہ ”مختب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ و خیرات لیتے ہوں تنبیہ دے کر کہے“ اس کے بعد علامہ موصوف نے اسکی سندیں حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے ”وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقة“۔

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ ”نہیں“ تو فرماتے کہ ”یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا“ انکا مقولہ تھا کہ مکسبۃ فیہا دناءۃ جیر من مسالۃ الناس، ”یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے نسبت اچھا ہے“ مفت خوری کا موقع زیادہ تر علما و صوفیہ کو ملتا ہے۔ ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علما کو انھوں نے علانیہ مخیاط کر کے کہا تھا لَا تَلْکُوْا فَاَعْبَا لَا اَعْلٰی الْمَسْاَلِیْنِ

یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔“

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو ہمیشہ بڑے اہم امور سے وابستہ رہتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اور اس کے لیے انکو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا لیکن انکو کسی کام سے عارت نہ تھا۔ روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جاکر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور غفلان، مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قبضے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے، ان دونوں مقاموں میں خود قشر لپیٹے جاتے تھے، روزینہ داروں کا دفتر ہات میں ہوتا تھا، انکو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے، اور حضرت عمرؓ خود اپنے بات سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر انکے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قیاساً دیکھ کر اہتمام دیتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”اکام معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تمکو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں، وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلان تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھو اور لکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، دوات خود مہیا کر دیتے اور جب کے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھروائے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔“

رعایا کی شکایتوں
واقفیت کے
وسائل۔

انکی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچے
سے رہ نہ جائے۔ یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صبح سجدین بیٹھ جاتے، اد جس کو جو کچھ ان سے
کہنا سننا ہوتا تھا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے، سفر میں
راہ چلتوں کی حالت پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد گئے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتین آئین، اور
وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ
عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری
سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبرانجام دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع
سے جو سفارتین آئین اد جس طرح انھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں اس کا حال عقد الفریہ
وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفراء
رعایا کی خبر

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ تھی۔ مندرجہ کے اعمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص
ججہ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا دورہ کریں۔ اور ہر جگہ
دو دو مہینے ٹھہریں، لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک
ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں اور وادری کی، اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا،
دارالخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے،
ایک بڑھیا عورت نظر آئی، اس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں، شام

سے روانہ ہو چکا، لیکن خدا اس کو غارت کرے، آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبت بھی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دور کا حال، عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟ بولی کہ اسکو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے،

ہم اس موقع پر متعدد حکامیتین اور روایتین نقل کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی، ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا، اسکی خبر گیری اور خط کیلئے خود تشریف لیگئے، پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ، مان کی گود میں رو رہا ہے، مان کو تاکید کی کہ بچے کو ہٹائے، تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو بچے کو روٹا پایا، غیظ میں آکر فرمایا، کہ تو بڑی بیرحم مان ہے، اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں میت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روٹا ہے، حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزیہ مقرر کر دیئے جائیں اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت بچہ

پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی، اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اُسی وقت اُٹھے، مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجوریں لین اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا میں لیے جتنا ہوں، فرمایا ہاں، لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمرؓ خود چوٹھا پھونکتے جاتے تھے، کھانا طیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا ”حسد اتم کو جزائے خیر دے، سچ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمرؓ“،

ایک دفعہ رات کو گوشت کر رہے تھے، ایک بدوا اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں، دفعۃً خیمہ سے رونے کی آواز آئی، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے؟ اس نے کہا میری بی بی دروزہ میں مبتلا ہے، حضرت عمرؓ گھر پر آئے، اور ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا، بدو سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا، اور مؤدب ہو بیٹھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اس بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا“، عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے،

مین نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، جھکوبلایا ہوتا، فرمایا کبھی جھکوکو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترتا ہے، لوگ تھکے ماندے ہونگے، اؤ ہم تم چلکر پہرہ دین، چنانچہ دونوں جھکے، اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب مین قحط پڑا انکی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت لگتی، پھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی، نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ اے خدا! محمد کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ "قحط کے زمانے مین حضرت عمرؓ کو جو فکر دتر دور رہتا تھا، اس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رنہ نہ ہوگا تو وہ اسی غم مین تباہ ہو جائیں گے، قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا، کو ہم اوپر لکھ آئے مین،

ایک دفعہ ایک بدوان کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے،

یا عَمَرَ الْخَيْرِ خَيْرُ الْجَنَّةِ	اے عمر! اظف اگر ہے توجہ کا لطف میری طرف
اَكْرَبُ بَنِي آدَمَ وَاهَمَّتْهُ	کو، اور انکی مان کو کپڑے پہنا خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا
اَقْتَرَبَا لِلَّهِ لِتَفْعَلَنَّ	ہوگا،

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور مین تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا، بدوان نے کہا،

تَكُونُ عَنْ حَالِي لِتَسِيلَنَّ	تجھ سے قیامت مین میری نسبت سوال ہوگا
وَالْوَأَقْفُ الْمَسْئُولُ يَهْتَنُّ	اور تو ہٹکا بکا رہ جائے گا پھر یا دوزخ کی طرف

یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۱۵ صفحہ ۳۴ مین مستند حوالوں سے منقول مین۔

اَمَّا لَیْ نَا مِرْدَا مَاجَنَہٗ اِبَہِشَتِ کِی طَرَن جَانَا جَوَگَا،

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ دائرہ ہی تر ہو گئی، پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دیدے
اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے،

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالا خانے پڑی ایسا گاہی تھی۔
تَطَاوَلَ هَذَا اللَّیْلُ وَادَوِیَ جَابَنَہٗ رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے
وَلِیْسَ اِلٰی جَبَنِی خَلِیْلٌ اِلَّا عَمَہٗ پہلو میں یا رہنیں جس سے خوش فعلی کروں،

اس عورت کا شوہر حجاب پر گیا تھا، اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی
تھی، حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنانِ عربؓ بڑا ظلم کیا، حضرت حصہؓ نے کہا کہ
اُسے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھوں نے کہا چار مہینے، صبح
ہوتے نہ جاگ سکے بھید یا، کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے،

سید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے، جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت
عمرؓ نے اون سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا،
میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے، حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر
کر دیا جو ہمیشہ اون کے ساتھ ساتھ رہتا تھا،

ایک دفعہ دو گون کو کھانا کھلا رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے
پاس جا کر کہا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا جنگِ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا،

۱۔ سید بن یربوعؓ سے ازالہ الخفا۔ ۲۔ اسداغایہ تذکرہ سید بن یربوع۔

حضرت عمر کو رقت ہوئی، اس کے برابر بیٹھ گئے اور دُور کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کرتا
ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لیے تمام
ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں،

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، حقیقت، نبوت کا ایک نائب ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب
پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و از میان امت جمعی ہستند
کہ جو ہر نفس ایشان قریب بچوہر انبیاء مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت، خلفائے انبیاء اند و در امت
مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد، اسکی
صفات کمال کا اعتراف، اسرا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق، یہی چیزیں تمام
مذہب کے اصلی اصول اور احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان
مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ بنی اور دقیقہ رسی سے کام نہ
لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل
قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں، اسلام
اصحی غلطیوں کے مٹانے کے لیے آیا اور اس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ
دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں، اس لیے ہر زمانے میں اکثر لوگ، اصل حقیقت سے
دور ہو جاتے تھے اور اسی لیے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ
لے ازالۃ الشک جلد اول صفحہ ۹۔

نہڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور افراد کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے،

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور متنبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اسکو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اسکی نظیر صحابہ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہے، انبیاء کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جہن عملاً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو غلطی واقع ہوئی یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا، اطاعون عوام میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے، حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے، قضای الہی سے ہوتا ہے، انتہا طیش میں آکر کہا افسر امان قدر اللہ یعنی کیا قضائے الہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا،

لنعم نقدر من قدر الله الى قدر الله یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کیون بھاگتے ہیں

اسلام کا اصول شعاۃ اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے، لیکن اسکی صورت

صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم

ہو گئی، حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا، ایک بار حجر اسود کے

سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا،

یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے،

انی اعلو انک حجروا انک لا تضر ولا تنفع میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان

تذکرہ شاعرانہ

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جب قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے انکو لڑکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط ادب و بناوت ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے،

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بحیثی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا، اور لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا، ایک دفعہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے، راستہ میں ایک مسجد تھی جہیں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی، اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے، حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب

ابھی باتوں کے بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا، نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا، اکثر و ن کا خیال ہے کہ بنی کاہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو تشنی کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بنی جو کلمہ نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور، وقت اور ضرورت

بنی کے اقوال و افعال کہاں تک منصفیت سے تعلق رکھتے ہیں

سے ازالہ آنحضرتؐ دوم صفحہ ۹۱ - علامہ زرقانی نے شرح مواہلہ دین بیت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن

نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے، سہ ازالہ آنحضرتؐ دوم صفحہ ۹۱،

کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریفی اور مذہبی نہیں ہوتے، اس سلسلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف
اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ
وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے
استدلال کیا ہے، اور ان مسائل میں جہان حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے
ان پر قدح کی ہے، لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں
رکھتے، اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت
ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے،

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا، کہ شریعت کے
تمام احکام مصلح عقلی پر مبنی ہیں،

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں، ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل
نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام، اصول عقلی پر مبنی ہیں، یہی دوسرا خیال، علم اسرار الدین
کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مشہور کتاب
چہ اللہ الباقیہ خاص اسی فن میں ہے، تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے،
جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ قسین فن، عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی حریت
اور دلاوی کی بظاہر نشان ہی یہ ہے کہ ہر بات، بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے و
عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے،

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں،

جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحب نے تجہ اشراق الہیہ میں لکھا ہے،
 کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، نے اس علم سے
 بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کئے؛

حضرت عمرؓ
 نے علم اسرار الدین
 کی بنیاد ڈالی

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، اُن میں عبداللہ بن عباسؓ کی عمر آنحضرتؐ کی
 وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی، حضرت علیؓ کا سن جناب رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت
 دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا، زید بن ثابتؓ کا سن آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس
 کا تھا، حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کل ۸ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے
 کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے، لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ
 ہی کو حاصل ہوگا،

حضرت عمرؓ مسائل شریعت، کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے
 خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، حضرت ابو
 قحصرؓ کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں
 کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے لیں
 عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّيْقَتَنَّكُمُ الْاَیْمُنُ کَفَرًا۔۔۔ لیکن جب راستے
 مأمون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا، حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے
 دریافت کیا کہ اب سفر میں، قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پیدائش کا انعام ہے،

جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بخت لائتمہ کاسم الاخلاق، حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوئی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوئی گئیں حضرت عمرؓ، خود اسلامی اخلاق کی ختم تصویر تھے، اُن کا خلوص، انقطاع الی اللہ، لئلا یند دنیا سے اجتناب، حفظ لسان حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اتر کر رہ جاتے تھے، اور ہر شخص جو انکی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا، مسور بن خرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ہمیں ہر گارہی اور تقویٰ سیکھ جائیں، مورخ سعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کیے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسرین اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے، پھر نوٹوں کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ، ابو عبیدہؓ، سعید بن عامرؓ وغیرہ کے نام اور ان کے اہل کلمہ عرب میں جو اخلاق ذمہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فرد غرور عام لوگوں کی تحقیر جو بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور می پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا، جو چہرین فرد غرور کی علامت تھیں بالکل منادیں، الزانیوں میں قبائل، اپنے قبیلوں کی بے پکارا کرتے تھے اسکو علما بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تفریق بالکل ٹھادی ایک دفعہ صفوان بن امیہؓ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ اون کی دعوت کی اور نوکر کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت افز و ختم ہو کر کہا کہ خدا ان سے سمجھے جو نوکر دن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

فرد غرور کا
استیصال

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملے گئے، یہ وہ

مجلس سے اُٹھے تو ادب اور عظیم کے لیے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آئے یہ حالت دیکھ کر اُن کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اوما تری فتنۃ للبتوع ومذلة للناجیع یعنی ”تم نہیں جانتے یہ امر بتوع کے لیے فتنہ اور ناجیع کے لیے ذلت ہے۔“

ہجو بد گوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعر اجا بجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور نہ عرب شعر کو رواج عام حاصل تھا، اس لیے یہ ہجویں نہایت جلد شہر ہو جاتی تھیں اور اُن سے سکڑوان مفاہد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کی۔ پہنچنے پر ابھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، حطیۃ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اُس سودا کی طرح فنِ ہجو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ کبھی کیسی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں قریش نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرتؐ نے حسان کو ترکی ترک کی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ شاعر قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائیں کیونکہ اُن سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔

عشق دہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا، شعر زیادہ تر زندان اور اربابِ شاعرا لکھتے تھے اور ان میں اپنے مستور قرائن کے نام بھیج کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام

ہجو کی ممانعت

ہجو پرستی کی روک

ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندھی آوارگی
 اُن کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعرا عورتوں کی نسبت عنقیہ شعا
 نہ لکھنے پائین چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ
 میں لکھا ہے تقدّم عن ابن الخطّاب إلى الشعر آءان لا يتشبه أحدًا باهل البيت الا بعدد
 شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے
 مارے جاتے تھے اُنھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیے،

شاعری کی
اصلاح

شراب خوری
روک

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت، اور
 فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ
 عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام
 نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی،

اخلاق کی سختی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ اس لیے
 حضرت عمرؓ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں
 نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عید الملک نے
 قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے حضرت عثمانؓ و حضرت
 علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اسکے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جسکی بدولت
 حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور بنو امیہ کو حمل و صفین کے معرکہ کے چھیلنے پڑے
 برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اصلی درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ

آزادی اور خودداری
کا قائم رکھنا

حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی؛

مختلف موقعون پر تقریر و تحریر سے جتا دیا کہ ہر شخص مان کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاصؓ کے معززوں نے جب ایک قبضی کو بے وجہ مارا تو وہ خود اسی قبضی کے ہاتھ سے جمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مَذْكُم تَقْبِدُم النَّاسَ وَقَدْ وَلَدْتَهُمْ
أَمْهًا خُمْرًا أَرَاءَ، تَوَّانَ كَوَّارًا جَنَّا تَحَا

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ لوگ ان کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے ”جَعَلَنِي اللَّهُ فَلَاحًا“ ”بائی داحی“ یعنی خدا مجھ کو آپ پر تران کر دے ”میرے مان باپ آپ پر فدا ہوں“

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعون پر ان کی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جَعَلَنِي اللَّهُ فَلَاحًا لَّكَ تَوَّانَ فَرَمَا يَكُ إِذَا مَيَّيْتِكَ اللَّهُ عَنِ الْإِسْلَامِ كَرِيحًا تَوَّانَ لَكَ لَيْلٍ كَرِيحًا۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جب قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ اُنھوں نے نمبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھکاؤں تو

تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور طوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اٹا دیں گے۔
حضرت عمرؓ نے اُس کے آواز نے کوڑا نٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اُس نے
کہا ”ہاں ہاں تمہاری شان میں“ حضرت عمرؓ نے کہا ”الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں
کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر ہزرگون نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں حضرت
عمرؓ نے حذیفہ بن الیمانؓ کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ
یہ حکم آپؐ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے
حذیفہؓ نے لکھ بھیجا کہ آپؐ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں چنانچہ باوجود حضرت
عمرؓ کی مانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ یوحنا عیقوبی نے لکھا ہے کہ ایک
دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے، ادھابیت المال میں داخل
کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکرؓ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال
میں داخل کرنا چاہیے تھا، اور یہ ہمارا تھا تو اُس میں سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟
حضرت عمرؓ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ
نفسی نیکیوں، حلم و تواضع، اہمیت و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاہم سچے
مرقع میں اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے خلیق میں یہ خط و خال
صاف نظر آتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا فن، حقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہؓ بہن و بھائی

اجتہاد کی حیثیت
حدیث و فقہ سے ہونا

لوگ بھی محدث اور فقہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا
حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہی نے قائم کیے۔

اجتہاد کے منصب
حدیث و فقہ

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔
آنحضرتؐ کے زمانہ میں احادیث کے استقصا کا خیال نہیں کیا گیا تھا جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود
آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے
متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لیے مختلف
صحابہ سے استفادہ کر کے ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکالا حضرت عمرؓ کے
زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی
کثرت نے سیکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیے تھے اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی
زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق ملے کیے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا
کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں حسین اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے
پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے یا حکم چنانچہ غسل جنابت جزیہ
جورس اور قسم کے بہت سے مسائل ہیں جنکی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل
سے مذکور نہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و شہر کی جائے اسی قدر اسکو قوت حاصل ہوتی
ہے اور کچھ پلوں کے لیے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے اسکی نشر و اشاعت کی بہت
سی تدبیریں اختیار کیں۔

حدیثوں کی
اشاعت

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہ نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی، یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، "چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعودؓ را

باصحہ بکوفہ فرستاد و متقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادة بن صامتؓ، و ابودرداءؓ را بشاربام و معاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود و قدغن بلخ و شت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکرد"۔

ایک دقیقہ اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں، چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو ان سے بڑا روایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں، خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقعہ میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں اسے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور واقعہ میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حسابے فرض ہے، تو اس احتمال کا عمل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شائع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں، لامحالہ اُس کے بھی سنی ہونگے کہ حضرت

نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔ اس اصول کی بنا پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو انھوں نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”ہفتم آنکہ مضمون احادیث و خطب و ارشاد فرمایند تا اصل احادیث با آن موقوف خلیفہ فوت یا بیا یا رانیکہ بغور سخن غیر مستدرک و متفق علیہ از حضرت صدیق بھیج نشد مگر شش حدیث، و از فاروق اعظم بہ صحت نہ رسید مگر قریب ہفتاد حدیث، این را منی نمند و منی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث اجمالاً تقویٰ دادہ و علانیہ ^{نمودہ} حدیث کے تفحص و جستجو، اور اشاعت ترویج کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتمم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں، انکی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انھی کے ساتھ مخصوص ہے احادیث کی طرف اسوقت جو بیان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مرتب کیا، اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل غنا کس قسم

احادیث میں
فرق مراتب

کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو، رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کی ثبوت کیلئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اَلَا هُمْ فَالَا هُمْ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تواتر توجہ اُن احادیث کی روایت اور شہادت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت کے ساتھ چند ان اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں، باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”باستقرار معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق و تفریق میان احادیث کہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد، از غیر آن، مصروف می ساخت، لہذا احادیث شامل آنحضرتؐ معلوم و احادیث سنن زواید در لباس و عادات کمتر روایت می کرد۔ بدو وجہ، یکی آنکہ اینها از علوم تکلیفہ و تشریعیہ نیست بحکمیل کہ چون اہتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سنن زواید بہ سنن ہری مشتبه گردند“

حضرت عمرؓ نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا قدر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ ”حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ وہ دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و خیریت پر ہے نہ الفاظ پر۔ سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید

اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دیا جاتی ہے روایت کی چھان بین کو صحیح نہوا سکو فوراً رولج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مخرجات احادیث نبویؐ کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ حرج و تعدیل کی روک ٹوک سے قسیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل انکے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر انکو زیادہ پس جو نہیں ہوتی تھی، اسکے ساتھ قرن اول کی نسبت انھوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا لیکن حضرت عمرؓ اس کتبہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ بستے نہیں ہو سکتا اس لیے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کیے۔ ایک فہم بومو اشعریؒ ان سے ملنے آئے اور میں دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ وہ اسلام علیکم ابو موسیٰ سے حاضر ہے، آنحضرتؐ عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لیے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تمکو سزا دوں گا، ابو موسیٰ اشعریؒ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی چنانچہ ابو سعیدؓ نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی بن کتبہؓ نے کہا کہ عمرؓ رسول اللہؐ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت

سُنی اور اُسکی تصدیق کرنی چاہی۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اُسکو عدت کے زمانہ تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اسکو نہ من حیث سکنیت جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک ایسی چیز ہے، فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں اُن کو اُن کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجھکو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں؟ انکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”نہیں“ فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا لا تترك كتاب الله بقول امرءة لا تذرني لعلها تحفظت اونسيت یعنی ”ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اسکو حدیث یاد رہی۔ یا نہیں“۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا بغیر اُن کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ چنانچہ جب محمد بن سلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھکو تھاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

سلسلہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستئذان میں مذکور ہے سلسلہ یہ دونوں دہتین تذکرہ بھٹا

میں حضرت عمرؓ کے حال میں مذکور ہیں ۱۲

حضرت عمر کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لیے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی، اسکے متعلق انھوں نے جو بند بنائے کیں۔ آج کل لوگوں کو ان پر شکل سے یقین آ سکتا ہے، اس لیے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو نقل کر کے، لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گذرا، اور جو حافظ بن جریر بخاری وغیرہ کے شیخ النیوخ ہیں، مذکورہ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کثرت روایت سے روکنا

وقد كان عمر من وجلة محبتي الصاحب علي يعني حضرت عمرؓ اس در سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے رسول اللہ - یا مہم ان یقولوا روایت میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ کو روایت عن نبیہم ولئلا یتناغل بالحداد میت کو بن اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے عن حفیظ القرآن + عن قریظہ بن کعب سے غافل نہ جائیں۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے تاکہ لما سیرنا علی العراق مشی معنا کہ جب عمرؓ نے ہمدان پر روانہ کیا تو خود شایعیت کو سنبھالے عمرؓ قال اتدرون لیس شیعتکم قالوا نعم اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ مکرمۃ لنا قال ومع ذلك فانکم تأتوت لوگوں نے کہا ہمارے عزت بڑھانے کو فرمایا کہ میں لیکن اس کے ساتھ اہل قریۃ لہم دوی بالقرآن کہ وہی یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں لوگوں کی آداب النحل فلا تصدّوہم بلہا حدیث فقتلواہم غنہ کی کھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گنجی رہتی ہو تو انکو حدیث میں جرد و القرآن و اقلوا السنۃ و ایتہ عن رسول اللہ ۛ پھنسا لینا، قرآن میں آمیزش نہ کراد و رخل اندر سے کہ رسول و اننا شربکم فلما قدم قریظہ قالوا کہ وہ بن تمہارا شربک ہوں جس قریظہ انہوں نے پوچھے تو لوگوں نے کہا

حدیثاً، فقال نهانا عمر + عن ابی سلمة عن ک حدیث بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ عمرؓ نے یہ کھنکھایا، ابولہ
ابن ہریرہؓ: قلت لہ کنت تحدت کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے کہا کہ
فی زمان عمر کذا فقال لو کنت احدت میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے،
فی زمان عمر مثل ما احدتکم لضر فی محفقتہ انھوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو دسے
ان عمر حبس ثلثة اہل مسعودی مارنے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوبکر
ابا الدرداء و ابامسعود الانصاری۔ کو مجسوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے
فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول بہت حدیثیں روایت کرنی شروع
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ دو حضرت عمرؓ کا یہ مطلب
تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض اور منہن مقصود نہیں، شاہ
ولی الدصاحب۔ دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک آنحضرتؐ کے
شائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ
حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں جسے حضرت عمرؓ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے
سے معلوم ہو سکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت
کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

حدیث عمرؓ
کم روایت
کرنے کی وجہ

لو کان فی الحدیث اذ نقض یعنی اگر مجھے یہ پڑے تو تاکہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ
 الحدیث نہ ملے

کئی بیشی ہو جائیگی تو میں حدیث بیان کرتا

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ یہ ہیں محمد
 بن سعد عبد الحمید بن عبد الرحمن الحنفی۔ نعمان بن ثابت رضی امام ابو حنیفہ موسیٰ بن طلحہ ابو الحنفیہ
 حضرت عمر کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اور دن کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی
 تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود جو مقامات علی بن حضرت عمر کے
 تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشتاد فی الروایۃ وسنن فی الاموال یعنی وہ روایت میں نہیں کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے دہتے
 فی ضبط اللفاظ تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثین روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال
 بہر حال رسول اللہ نہیں کہتے تھے حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اس نے
 پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کے حال میں لکھا ہے
 کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکرؓ تھے علامہ موصوف نے حاکم سے
 یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ۵۰ حدیثیں قلم بند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں
 جلا دیا۔ اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھا اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو
 اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو، لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا اور

صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے لیکن حضرت عمرؓ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بیدار غلطیوں سے ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت سچ لکھا کہ ”ہر چند صحیح صحابہ عدول اندوز روایت ہمہ منقول عمل بموجب ائمہ بڑا ہی مدق اندیشان نہایت شود لازم اما در میان ائمہ از حدیث و ثقہ در زمین قاروق اعظم بود و ائمہ بعد از حادث شدہ فرق مابین السموات والارض شست“

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر رہا۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند ارمی وغیرہ میں جا بجا تصحیح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل ابو دروداؓ اور حضرت انسؓ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

ساتھ سال بھر رہا اس مدت میں اُن سے صرف ایک حدیث سُنی، ثابت بن قتیبة الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے بابرؒ بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا۔ لیکن انھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کیے اُن کو اجمالاً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) روایت کا بالفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر و حدیث میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے۔ جسکو محدثین کی اصطلاح میں تانع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر و حدیث ہمیشہ قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے،

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پوراختہ ہے اس فن کے متعلق اُن کی قابلیت اور فضیلت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے نسخ و منسوخ جانتا ہو، لوگوں نے پوچھا

ایسا کون شخص ہے؟ حذیفہؓ نے کہا عمر بن الخطابؓ۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پہ میں تو عمر کا پہ بھاری رہے گا علامہ ابواسحق شیرازیؒ نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے،

ولو لا خوف الاطالة لاذکرت من فقہنا یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فقہ کے متعلق اولاً و ثانیاً بیحد فیدہ کل فاضل،

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چکر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہو کہ فقہ کے حبقدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کامرج حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ ہیں مکہ معظمہ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن، انہی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً۔ مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابتؓ و عبداللہ بن عمرؓ کوفہ کے حضرت علیؓ بن عبداللہ بن مسعودؓ و ابویوسفؓ اشعریؓ شام کے ابوذرؓ و معاذ بن جبلؓ۔ ان میں حضرت علیؓ کے سوا اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاص کر عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن مسعودؓ ان کے ساتھ ویرداختہ تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ

فقہ کے تاسلسلوکی
مرج حضرت عمرؓ

ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں، عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسپر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جھکو شیوخِ بدر کے ساتھ بیٹھایا کرتے تھے، اسپر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیونکہ یہ موقع نہیں دیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔“

محدث عبداللہ بن عباسؓ نے لکھا ہے کہ عیسیٰ بن عباسؓ و دیگرہ یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھکے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علمِ سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباسؓ کے مجتہدات کو، حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صفاتِ نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابتؓ۔ برسون حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم

سہلے جلتے ہیں۔

حدیثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم نعت کا مدار تھا۔ عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ۔ امام حجرؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے ستہ من اصحاب ابی بنی صلی اللہ علیہ وسلم میتذکرون الفقہ بینہم۔ علی بن ابی طالب و ابی و ابو موسیٰ علیہ السلام و عمر زید و ابی و ابن مسعود یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے، علیؓ، ابیؓ، اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ، اور حضرت عمرؓ زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ، صفوان بن سلیم کا قول ہے لیکن یفقی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمرؓ علیؓ معاذ و ابی موسیٰ یعنی ان حضرات کے زمانے میں صرف چار شخص فتوے دیتے تھے عمرؓ، علیؓ، معاذؓ، ابو موسیٰؓ، امام شعبیؒ کا مقلد ہے کان العلم یؤخذ عن ستہ من الصحابة یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

صحابہ میں
چھ شخص نعت
کے امام تھے

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف یہ یا ہفتیوں کی تعداد، خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض بھی نہیں ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اسکے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جسکی نسبت حدیث میں کوئی حکم تصریح موجود نہیں۔ بلکہ قواعد استنباط کے

سلف فقہ النیث صفحہ ۳۸۱ سے تذکرۃ الکفایہ علامہ ذہبیؒ ذکر ابو موسیٰ اشعریؓ سلف فقہ النیث صفحہ ۳۸۱

ذریعہ سے حکم استخراج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اسکی معارض ہیں ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے صحاح میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے تھے اور منستی کہلاتے تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے، لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا ہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر گذر۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر علیؒ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ کا نام لکھتے ہیں واما غیرہؤلاء الاربعة فكانوا يوردون دلائل یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن ولكن كما كان يمين دن الركن والمش طامین آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفسیر ت ان الاربعة و السنن و لم يكن لهم قیول عند نہیں کر سکتے تھے۔ اور وہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور تعارض الاخبار و تفاضل الدلائل الاقلیلا دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ درجہ بعض بعض موقوف کے کا جن عجم و عایشہ و زید بن ثابتؓ، دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ، زید بن ثابتؓ۔ بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ "عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا" معاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لیے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا شمار میں انتقال ہو گیا، اس لیے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے

حدیث اور چند ان باقی نامہ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے شاگرد نہیں تھے ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے متلمذ تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وزید بن ثابتؓ نیز در اکثر متبع اور مست" ان انعامات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا راجح ہوا وہ حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے حضرت عمرؓ نے مسائل فقہ میں جہد فکر اور غور کیا تھا صحابہ میں سے کسی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے آغا ز اسلام ہی سے فقہ کو طبع نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جہان ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی حدیث میں کہنے سننے کی جرات نہیں رکھتا تھا، کلام کے مسئلہ کو جو ایک یقین اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انھوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ رقی آگئے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی اخیر آیت تیرے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلباً اور زیادہ غور فکر سے اس میں بھی مجاہدات کیا کرتے پھر بھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے قسطلانی نے شرح بخاری میں مستند حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف راہیں قائم کیں بعض بعض مسائل کے

مشکل مسائل
قائم نہ کرنا

دقیق مسائل
میں وقتاً فوقتاً
خوض کرتے رہنا

متعلق انکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند دارمی میں یہ کہ
دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اسکو منگو کر
ٹٹا دیا، اور کہا کہ ”آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجیے گا“ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے
کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے
قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبول کریں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ کی رائے ہلوگ
قبول کریں تب بھی بہتر ہے، لیکن ابوبکرؓ کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے۔ اکثر
کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہؐ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کلامہ۔ دادا کی
میراث۔ ربا کی بعض اقسام۔ مسائل فقہیہ کے متعلق انکو جو کہ وکالت دیتی تھی اس کے اندازہ
کرنے کے لیے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث
کو کلامہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لیے صحابہ میں
اختلاف تھا کہ کلامہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود انحضرتؐ سے چند بار
دریافت کیا، اسپر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہؐ سے دریافت
کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن ان تمام باتوں پر
ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہؐ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت
بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مایہا سے زیادہ عزیز ہوتی، خلافت۔ کلامہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات
کو محدث عمار الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے،
چونکہ انکے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کر رہا تھا

تھا۔ ایسے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی تشکیل پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر کا برصاہ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر مخصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک غمناک سے ان کے پاس جواب کے لیے آئے چنانچہ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ، فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں، مثلاً عبد اللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، میسر بن شعبہ وغیرہ وغیرہ۔

فتوحات کی بہت
کی جگہ سے نئے نئے
مسئلوں کا پیدا
ہونا

لوگوں کا حضرت
عمرؓ سے
استفسار کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا انکی رائے بھی فتوے کے لیے کافی ہو سکتی تھی، تاہم احتیاط کے لیے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور کھٹہ بنی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں علامہ بلاذری نے کتاب لاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے ہیں۔

صحابہ کے مشورہ
سے مسائل
طے کرنا

کان من سیرة عمر انہ کان یشاور الصحابة حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے ویناظرہ وحوثی تنکشف الغمۃ ویاتہ التلیم تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا، ایسی جگہ فصار غالب قضایا کوفتاواک متبعة حضرت عمرؓ کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پروی فی مشارق الارض ومغاربہا۔ کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا انکی تعداد کچھ کم نہیں، اور

مسائل اجماعیہ

کتاب احادیث و آثار میں انکی پوری تفصیل ملتی ہے، مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اسکی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کیے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہؓ نے ایک رائے پر اتفاق کیا، لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف رائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواجِ مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انھوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں، اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں انکی تعداد کوئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے انکی تقلید کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں ”محققین مجتہدین اور روس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اندوین قریب ہزار مسئلہ باشند تحقیقاً مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل سالہ لکھ کر ازالہ اختلاف میں شامل کر دیا ہے یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ

اور چیز ہے، انھوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی۔ بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس بحث پر بحمد اللہ الباقیہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جو خلاصہ یہ ہے کہ ”آنحضرتؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں انکی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، انکی نسبت خدا کا ارشاد کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی پیغمبرؐ جو چیز تمکو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اُس سے باز رہو“ دوسری وہ جنکو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا،

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ

فخذوا بهِ وَإِذَا نَهَاكُمُ عَنْ شَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَلْتَنْتَهُوا

تو اسکو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”آنحضرتؐ نے طبیب کے متعلق جو کچھ ارشاد

فرمایا جو افعال آنحضرتؐ سے عاودۃً صادر ہوئے، نہ عاودۃً، یا اتفاقاً واقع ہوئے، نہ قصداً، یا جو

باتیں آنحضرتؐ نے مزموعات عرب کے موافق بیان کیں، مثلاً ام زرع کی حدیث اور خزانہ

کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں، مثلاً شکر کشی اور اس قسم کے بہت

سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں؛

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا انہیں سے کوئی صاحب نظر،
 انکار نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے موجد و اصل حضرت عمرؓ ہیں۔ کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر
 پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد
 فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف اسے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبد اللہ
 بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔
 قیدیان بدر کے مسائے میں انکی مائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی صلح حدیبیہ میں
 انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اسطرح دیکر کون صلح کی جائے، ان تمام مشالوں سے
 تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود
 اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار
 ہم انکو، اسلام کے دار سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتیں جو مذہب
 سے تعلق نہیں مطلقاً تھیں اپنی رايوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک اُتھات اور یعنی وہ
 لونڈیان جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روک دیا
 آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک نے بنا مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے غنفلے لکھوں
 میں مختلف شرحیں مقرر کیں آنحضرتؐ کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ
 نے انہی کو ڈبے مقرر کیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریحی حیثیت سے ہوتے
 تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ

ایک لحظہ کے لیے بھی سندِ خلافت پر اُنکا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا،

حضرت عمرؓ کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے شدائدِ احکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اس پر نا پسندیدگی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود اوجی اُسی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیانِ بدر، حجابِ ازواجِ مطہرات، نمازِ ہرجانہ، منافق، ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے، فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات، منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں چنانچہ معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں کے بہت سے نئے قواعد وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، بخلاف اسکے امام شافعیؒ کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیبِ فوج، تیسین شمار، تشخیصِ محصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریحی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خیر احاد یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ

۱۔ اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شریعت یا تواریک حد سے کم ہوں وہ بھی خبرِ احاد ہیں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا۔

خبرِ احاد کا قابل
استحجاج ہو سکتی
بحث

نہو کی حیثیت احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان کو قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذن ملاقات استقامتین، خرمیہ، یکان عباس بن عبدالمطلب، یتم جنابت، کے مسنون میں انھوں نے عمار بن ابی سمر، ابو موسیٰ اشعری، میسرہ بن شبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابلِ حجت نہیں قرار دیا جب اور تائیدی شہادتیں نہیں گذریں چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے اسی بنا پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تسخیر یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرتؐ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ حکم قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحبؒ نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اہول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابلِ احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابلِ احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تھا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے چنانچہ روزِ قرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جنکی نسبت ایک شخص کی شہادت

کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ کُمنون نے الفاظِ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، فرض ہو واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہو، اور اسوجہ کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پاسکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبارِ احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اسکے خلاف بھی کیا اس طریقِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبارِ احاد میں خصوصیتِ حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبارِ احاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آ رہا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں، لیکن جہاں تک ہمیں ان کام کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سخی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اُسکی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبارِ احاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اُسکی بنا، صرف تحقیقِ حق تھی۔ اس نامے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہتے ان لیا اور جسکو چاہا غلط کہہ دیا۔

کارِ پاکان را قیاس از خود گیر گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر
فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اُس کا کافی ہونا قیاس میں موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں ایسے ضرورت کے ان جزئیات فیصلہ کرنے کے لیے قیاس شرعی سے کام لیا جائے اسی ضرورت سے ایما ربیعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبلؓ ہیں ان لوگوں کا استدلال یہ ہے

قیاس

کہ جب آنحضرتؐ نے معاذ کو مین بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کر دے گا؟ انھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دون گا، اور اگر قرآن و حدیث میں نہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا، لیکن اس سے راستدلال نہیں ہو سکتا کہ انکی مراد قیاس سے ہی اجتہاد تھا۔ یہ شخص نہین ابن حزم و داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ سند دارمی میں بہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے قرآن میں نہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرنے اور انکے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اسکے مطابق فیصلہ کرتے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک، مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعرنیؓ کو قضا کے تعلق جو تحریر بھیجی، اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اسکے یہ الفاظ ہیں:-

الفهم الفهم فيما يختل في صدوركم مما لم يبلغكم من قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اسکی نسبت نہیں فی الكتاب والسنة۔ واعرف الامثال و اس پر غور کرو اور خوب غور کرو، اسکے سمجھوت اور منکر فی الاموال الاشباہ۔ ثم قس الامور عند ذلك کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔

سہ۔ یہ حدیث۔ سند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۴۴ میں مذکور ہے ۲۰۰ سند دارمی صفحہ ۳۲ ۲۰۰ یہ روایت

دارقطنی میں مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۶۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تقدیمہ الحکم من الاصل الى الفرع لعلہ متخذہ اس کے حکم کو فرع کہتے ہیں جیسا کہ اس میں علت کی وجہ سے جو نوین متخذ ہوں مثلاً آنحضرتؐ کی ہون۔ جو وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ انکو برابر پہ دو برابر سے زیادہ لوگ تو سود ہو جائیگا اس سلسلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرتؐ کو چند خاص اشیاء کے نام لیے۔ لیکن حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو امتداد اور نوعیت کھتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چوہ دے، اور اُسے اسی قسم کا چوہ سو سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔ اصولیین کے نزدیک قیاس کے لیے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ مخصوص نہ ہو یعنی اُس کے بارہ میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک نہ ہو حضرت عمرؓ کی تحریر میں۔ ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے بلغک فی الكتاب السنۃ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے واعرف الامثال والاشباہ ثم من اکملہ اور،

ان مهمات اصول کے سوا، حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت نامہ مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک کتبہ سمجھ لینا چاہیے یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الہے ہیں اس اختلاف الہے کی وجہ امین کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کعبہ حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو تفصیل لکھا ہی لیکن اس سے یہ

استنباط احکام
کے اصول

نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان ائمہ نے صراحتاً وہ اصول بیان کیے تھے، امام شافعی نے بے شمار ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کیے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتاً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت اذ اقرئ القرآن فاستمعوا للہ والذینوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیے کسی نے اسے کہا کہ یہ آیت تخطیبہ کے بارے میں اتاری تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتاری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اصول کے قائل تھے۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں میں مستنبط کئے گئے ہیں ورنہ ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعوے کہ اُنھوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کیے، اسی بنا پر ہے، اکثر مسائل جو اُنھوں نے طے کیے صحابہ کے مجمع میں بحث مناظرہ کے بعد طے کیے، ان موقعوں پر اُنھوں نے جو تقریریں کیں ان کے استقصا سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر اہل میں تناقض و امتیاز یا اخذ استدلال وجود ہوتے تھے اس لیے اُنکو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ ان میں سے کسکو ترجیح دیجائے۔ کسکو مانع ٹھہرایا جائے کسکو منسوخ، کسکو عام ٹھہرایا جائے کہ موقت مانا جائے کسکو مبدی اس طرح نسخ تخصیص تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے

اصول قائم ہو گئے، عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی انکی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجیے، کیونکہ اُس نے میری بی بی کا آئینہ چرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی "فرمایا کہ تمہارا غلام تمہارا بھاری ہی چیز چرائی، اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا، اس کے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لیے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ سرقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چُر لیا تھا حضرت عمرؓ نے اسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک نابالغ کے قریب اُترے عمرؓ بن العاص بھی ساتھ تھے، اُنھوں نے لوگوں کو پوچھا کہ یہاں دزدے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا، اس سے دوہول نہ آتا ہوے ایک یہ کہ اصل اشیا اہل حق ہے، دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، بھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متروک ہوئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ الخطیب یسجد وقد اجتهدنا یعنی معاملہ چند ان اہم نہیں، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔"

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ کوئی شخص چاہے تو اُن سے اصول فقہ کے ہر مسئلہ کی کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کیے ان میں اکثر ایسے ہیں جنہیں اور صحابہؓ نے

ساتھ اتفاق کیا، اور امیر محمد بن اُنکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے ہتھوار سے
اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی
ہیں جنہیں دیگر صحابہ نے اُن سے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض مسائل میں جن صحابہ نے
اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تم جنابت سے متعرج، طلاقات ثلاث وغیرہ میں حضرت عمرؓ
کے اجتہاد سے، دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں، اور خصوصاً
اُن مسائل میں جو معرکہ الاراء ہے ہیں اور جنکو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، عموماً حضرت
عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے
کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

اُن میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔
ایک بڑا معرکہ الارامیہ خمس کا ہے، قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَأَنَّ السَّبِيلَ -

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے
چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں دریاے علم کہلاتے تھے نہایت زور کے ساتھ
اس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علیؑ نے اگرچہ مصلوٰۃ بنو ہاشم کو خمس میں
حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔

حضرت عمرؓ کے
ساتھ ایک فقیر
کی تعداد

چشم کا مسئلہ

مکتبہ اسلامیہ
پنجاب، لاہور

یہ صرف حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ کی رائے نہ تھی، بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا۔
ایمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے روشورہ
کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار
نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ایمہ مجتہدین
امام ابوحنیفہؒ بھی ذوی القربی کے خمس کے قائل نہ تھے، انکی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرتؐ کے
بعد آنحضرتؐ کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اب انکو
غوث کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔
قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس
کے مصرف ہیں، لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے،
قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں، ان میں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔
انما الصدقات للفقراء والمساکین والعالمین علیہم والمولفۃ قلوبہم و فی الرقاب
والغاریین و فی سبیل اللہ وابن السبیل اسمین زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیے ہیں،
فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے، مولفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے
جسکو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائیگی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیے جائیں۔ آٹھوں گروہ
موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اسوقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم،
اور کین بالکل نہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کسی کو بالکل نہیں۔

یہ التزام بالایزہ صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کیسے جائیں اور آٹھ گونہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف محمدؐ نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کیے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہؐ طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے۔

(۲) بنو ہاشم و بنو مطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو سادیا نہ نہیں دیتے تھے، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمہ بینہم علی السواء بین لیکن دو تہندون اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے
اغنیائہم و فقرائہم و کان یقسمہ قسمة تھے۔ ویراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے
المیوات و بل کان یص فیہم محجب تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا
المصلحت و الحاجة فیزوج منہم اعزہم فرماتے تھے یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے،
و یقضی منہ عن غار مہم و یعطی منہ موقوفوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے غریبوں کو بقدر حاجت
فقیر ہم کفایت دیتے تھے۔

ان واقعات سے اولایہ ثابت ہوا کہ ذوی القربی کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرتؐ حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابت دار تھے دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالفت تھی۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ غنم کا پورا پورا حصہ ذوی القربی کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پورا حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربی کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابویوسفؒ صاحب کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے،

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ نَزَّاجٍ مِنْ عَمْرِ بْنِ الْخَطَّابِ يَأْتِ بِأَنَّ لَوُكُنَّ سَائِسَةٌ بَيْتٍ كَيْ تَقِيَهُ لَوْ كُنَّ غَنَمٌ لَمْ يَكُنْ لَهَا حَقٌّ فِيهَا
الْجَنَسُ أَيْمَانًا وَنَقْضًا مِنْهُ عَنْ مَغْرَمَانَا بَيْنَنَا بِلَاؤُنْ كَيْ نَحْجَّ، أَوْ زَعْمُ مَوْنِكِ أَوْ قَرْضُ كَيْ مَصَارِفُ لِيَاكِرِينَ لَكِنْ
أَلَا إِنَّ مِيسْلَهُ لَنَا وَابْنِي ذَلِكَ عَلَيْهِ، ہم بجز اسکے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ جب تک یہ ایک عمارت میں نہ ہو سکتا تھا کہ

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے عمرؓ سے ذوی القربی کا حق مطلقاً سا قط کر دیا تھا۔ لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے، اس لیے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرتؐ کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؒ غیر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ بُورا یا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے تعین تکدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القرنیٰ کا غیر عین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو، یعنی خمس میں سے آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے قربت؟ اردن کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ مبلغ احکام اور ہدایت رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، سعادت کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپؐ کے لئے مخصوص کر دیا جائے، اس وقت مال غنیمت اسے انفال میں ہی آمدنیان تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپؐ کا حصہ مقرر کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے، اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالصتہ کر دیا جاتا ہے ذوی القرنیٰ کا حق اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام نبوہ شہم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب نبی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر آنحضرتؐ اور ذوی القرنیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور صلح کے لحاظ سے تھا لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپؐ کے قربت؟ اردن کے لیے، پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور گواہی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کہتے ہی و التمداد غنی ہو جائیں ہم انکو

یہ رقم سیشہ ملتی رہیگی، ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے، کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اسکی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی ہے، اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اسیں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا حضرت علامہ عبداللہ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے انکا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت کے لیے ہے، بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے ان ہی کی نسبت انکو ایسا دعویٰ ہوگا، ایک اور مہم بالشان مسئلہ ہے کہ ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جو مسلمان فتح کیا ہو یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ بارغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

نئے مسئلہ

بڑا خطبہ بحث اسیں اسوجہ سے ہوا کہ نے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل غنیمت سلب۔ ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑائیوں کو براہِ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ستر اقبیلہ کو البتہ سب زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ بعوث ہوئے تو ابتداء میں جسطرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہؐ کے عہد میں بھی قائم رہا اس لیے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں یہاں تک کہ ایک دفعہ ہسپرچہ لڑا اٹھا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے،

کچھ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کر نیولے وہیں آئے تو اٹھو بیٹے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے محافظ تھے، اس لیے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی

سَيَلُونَا عَنْ أَكْثَفَ الْفَالِ قُلِ الْإِنْفَالُ لِلَّهِ جَحْه سے لوگ، مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ

وَاللَّهِ سَوَّلٌ، وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف میں بیان کیے گئے تھے، پھر یہ آیت اتری۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ جہاں لڑنے والوں کی چیز غنیمت میں آئے آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور رسول و لذی القربی والیتامی المساکین کے لئے ہے اور سبیر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے

وَابْنِ السَّبِيلِ، اور سکیفوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔

اس آیت سے یہ قاعدہ ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے بجا ہیں کو تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت اور ذوی القربی اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے زمین اور جاہلداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا غزوہ بنی نضیر میں جو شہدائے مین واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

لے زاد المعاد ابن قیم جلد ثانی صفحہ ۱۰۱ کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

مَا أَقَامَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلَهُ لِلرَّسُولِ يَسْنَى جُوزَيْنِ يَأْجُزُ مَا دَا، اِتَّهَ آتَى اَوَهُ خُذَا اَوَرِ بِنِيرِ اَوَرِ
 وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ ابْنِ السَّبِيلِ، يَتِيمُونَ، اَوَرِ سَاكِينُونَ، اَوَرِ سَاكِينُونَ، اَوَرِ فُسْتَا
 لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ اخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ، اَوَرِ اُنْ سَبْ لُوكُونَ كِي هِي جَوَ آيِنْدَه دِنَا
 وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ

مِنْ آيِنِ

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جوزین فتح ہو تو وہ تقسیم نہیں کیا جائیگا، بلکہ بطور وقف محفوظ رہیگی اور اس کے
 منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہونگے، یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت دینے کی۔
 ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور
 فتنے کو ایک سمجھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی سلسلہ ہے اور ان کے مذہب کے موافق
 زمین مفتوحہ اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے
 اسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ ان کو تقسیم کر دیے جائیں چنانچہ عبدالرحمن
 عوف، زبیر بن العوام، بلال بن باحؓ نے سخت اصرار کیا لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر
 (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں آخر
 حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ
 بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ

فَكَانَتْ هَذِهِ عَامَةً لِمَنْ جَاءَ مِنْ تَوْهٍ تَامِ آيِنْدَه آيَنُ اَوَنُونَ كِي لِيَهِي جَو۔ اور اس بنا پر یہ حکم

بعد ہم فقط صار هذا الفی بین هؤلاء۔ لوگوں کا حق ٹھیک ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو
 سب سے اول تقسیم کر دوں اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ

پیدا ہونگے،

من یخلف بعدہم

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیمہ کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیمہ کے بعد اور مقامات بھی تفریح ہو یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

اسی سلسلے میں بارغ فدرک معاملہ بھی ہے جو مدت تک عمرکہ الارار رہا ہے ایک تہ کا خیال ہے کہ یہ بارغ، خاص آنحضرتؐ کی جائداد تھی کیونکہ اسپر چڑھا ئی نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے لوگوں نے خود، آنحضرتؐ کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔
وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فا وجعتم یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے لے لیا تو تم لوگ اس پر علیہ من خیل ولا رکاب لکن اللہ یسلط اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جبر

رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدير چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

اور جب ہ آنحضرتؐ کی ملوکہ خاص بٹھری تو اس میں رات کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرتؐ کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے! وجود حضرت علیؓ کے طلب تقاضا کے آل بنی کو اس سے محروم رکھا،

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی، اور اب جبکہ سیاستِ مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں

یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں ہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ بنی، یا امام، یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک مملوکہ خاص جسکے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤدؑ زورہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیرؒ قرآن لکھ کر سبر کرتا تھا۔ یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اسپر ہر طرح کا اُن کو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داؤدؑ کے مقبوضہ مالک جو حضرت سلیمانؑ کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص بغیر بنی، یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اُس کا مالک یا ستولی ہوتا ہے یہ مسئلہ آج کل مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد اُنکے مملکت مقبوضہ یا اُن کی جاگیر خالصہ اُنکے بیٹے، بھائی، مان، بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں۔ یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا مثلاً جو لوگ بالغ مذکر کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے مثلاً حضرت علیؑ اپنے زمانے میں اُسکے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؑ، و عباسؑ، و محمد بن حنفیہؑ، و زینبؑ وغیرہ کو جو حضرت علیؑ کے وارث تھے اس کا کچھ حصہ، سہام کے پڑتے سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؑ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائداد، نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

حاصل ہوتی ہے وہ ملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ بارغ فذک کے نکر حاصل ہوا تھا اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب غیر کی فتح سے پھرے تو عیصہ بن سودا نصاریٰ کو فذک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا، فذک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا شراب نوش بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھنی میں دینی منظور کی۔ اُسوقت سے یہ بارغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرتؐ کی ملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہو فذک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے قَمَّاءُ وَجَفَّتْ عَلَيْهِمْ مِنْ خَيْلٍ وَكَامَرَكَابٍ لیکن کیا جو مالک صلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی کیا ان کو کسی نے آنحضرتؐ کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جو بے مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا بھی خیال نہیں کیا، تو فذک میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں جلائہ وقف عام رہیں لیکن فذک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہے اس خیال کی بنا پر زیادہ اس سے ہوئی کہ فذک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اس لیے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فذک کو بے شہد آنحضرتؐ نے پیشہ ذاتی

لے فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر فذک۔

مصارف کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن کیونکہ اُس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں
 فَكَانَ فَضْلُكَ خَالِصًا لِلرَّسُولِ ﷺ یعنی اُدھا فذک خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اُس میں سے
 دکان بھرت مایا تیرہ ونہا الی ابناء السبیل مسافروں پر صرف کرتے تھے۔
 ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ هَذِكَا مَتَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَكَانَ یَنْفَقُ یعنی فذک آنحضرت کا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور
 مِنْهَا وَیَا کُلَّ وَیَعُوذُ عَلٰی فَقْرٍ اَوْ بَعِیْ هَا شِئْمُ فقرے بنی ہاشم کو دیئے تھے، اور اُن کی بیواؤں کی
 وَیُزَوِّجُ اِیْھُمْ شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے،
 باقی عام مسلمان کے مصارف میں دیدیتے تھے،

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فذک کا مملوکہ نبوت ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لیے
 کوئی جائداد خاصہ کر دی جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے
 زائل نہیں ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے اور اسی بنا پر انھوں نے
 فذک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں جو تقریر کی تھی اُس میں
 قرآن مجید کی اس آیت سے مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقَرْیٰ فِیْہِ الْخِ اسْتِذَا ل

کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں، چنانچہ فی کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت پہلے جو آیت ہے اس سے فذک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ کے یہی معنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أُوتِىَ مِنْهُمْ عَلَى رَأْسِهِمْ
 عَلِيٌّ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَاكِبٍ إِلَّا اللَّهُ يُسَلِّطُ
 اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی، نصیری، خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ سپرد چڑھ کر نہیں گئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبر کو رُسُلہ، علی من یشاء۔ جبر چاہتا ہے سلا کر دیتا ہے،

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانتم خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب الیراث میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فذک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جس طرح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین حاصل کر دیا جاتی ہے کہ اس میں یراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جائزین سلطنت ہوتا ہے، تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فذک کو آنحضرتؐ کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس، باب المغازی میں مذکور ہے۔

فکان رسول اللہ ینفق علی اہلہ نفقتہ آنحضرتؐ اس میں سے سال بھر کا خرچہ لیتے تھے، باقی کو

سندھم من هذا المال ثم ياخذ ما بقى فيجعله خدا کے مال کی طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے زندگی بھر
 يجعل مال الله فعل رسول الله بذالك حیاتہ اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابو بکرؓ نے کہا کہ میں
 ثم توفي الله نبيه صلى الله عليه وسلم فقال ان کا جانشین ہوں پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح
 ابو بکرؓ انا ولی رسول الله فقبضها ابو بکر فعل کارروائی کی جسطرح رسول اللہؐ کرتے تھے بھیسر
 فیہا بما عمل رسول الله۔ ثم توفي الله ابابکر انھوں نے وفات پائی تو میں ابو بکرؓ کا جانشین
 فلکنت انا ولی ابی بکر فقبضتها سنتین مابقی ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا
 اعمل فیہا بما عمل رسول الله صلے الله اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر
 علیہ وسلم و بما عمل فیہا ابو بکر کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجود اسکے کہ فدکؓ کے غیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے
 تاہم آنحضرتؐ کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے جہین وراثت جاری ہو اور اسوجہ سے اسکے قبضہ
 کا سختی صرف اسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہؐ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اور خود اپنے
 قبضہ کی وجہ یہی بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر اسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ انکے پاس
 کے دعویٰ درہو کر آئے تھے اور انھوں نے کہہ دیا تھا کہ اسین وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔
 حاصل یہ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فدکؓ وغیرہ آنحضرتؐ کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے
 چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرتؐ کا خالصہ ہونا یا جائز
 ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فہذا عامۃ فی القری کلھا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ لازمی

مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذہبتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں فہو مملک یعن الف حکم غیرہ من الممالکین... وَهَذَا النُّوعُ مِنَ الْأَمْوَالِ هُوَ الْقِسْمُ الَّذِي وَقَعَ بَعْدَ الْفَيْدِ مِنَ الزَّاعِ مَا وَقَعَ إِلَى الْيَوْمِ + وَلَوْ لَا اشْتِكَا لُأَمْرٍ عَلَيْهِمَا طَلِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَرْكِكُمْ وَطَنْتَ أَنْهُ يُؤْرَثُ عَنْهُ مَا كَانَ طَكَالَهُ كَسَا ثَرِ الْمَالِكِينَ وَخَفِيَ عَلَيْهَا رِضَى اللَّهِ عَنْهَا حَقِيقَةً الْمَلِكُ الَّذِي لَيْسَ مَا يُؤْرَثُ عَنْهُ۔

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جواب دہ اسے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جنہیں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح عمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات

اور

اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے ہی ان میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو معائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم کا راز تھا۔

لے زاد المعاد صفحہ ۱۶۳ جلد دوم۔

میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض خاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، سنائی، پہلگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اسکو اور زیادہ جلا دیدی تھی یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے اُن کو سفارت کا منصب دیا تھا جو اُن لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے اُن کے معمولی جلون میں آریٹری کا اثر اور محل فقرے جو اُن کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی عمرؓ بن عبدالمطلب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لیے تحیر ہو کر کہا "اسدا اسکاوا" ہمارا خالق ایک ہی ہے، مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کا ریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وہاں واقعہ میں ابو عبیدہ نے جب اُن پر اعتراض کیا کہ آپ قضاے الہی سے بھاگتے ہیں ہیں تو کس قدر لطیف لفظوں میں جواب دیا کہ "ان قضاے الہی سے قضاے الہی کیطرت بھاگتا ہوں" مختلف وقتوں میں جو خطبے اُنھوں نے دیے وہ آج بھی موجود ہیں ان کے زور و تقریر جبریتی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

قوت تقریر

خطبے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَلَیْکَ اِلٰہِیَّ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ صَعِیْتُ لَیْسَ خَدَا اِنِّیْ سَعَتُ ہوں بھٹکوں نرم کر میں کز در ہوں بھٹکوں قوت دے
 فقونی اَلَا وَاِنَّ الْعَرَبَ بَسَجَلٌ اَیْفُ د قوم سے خطاب کر کے، اہان اعراب لے سرکش اور بی بی جی ہر اس
 وقفا اعطیت خطامہ اَلَا وَاِنِّیْ حَامِلٌ عَلٰی الْحِجۃ ات میں ہی گئی سے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑ دینا گا۔
 خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب اُٹھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے لوگوں
 کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چڑھتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد بن
 ولید بے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور تیزی کا اثر تھا کہ تنی شیبانی ایک شور
 بہا در بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام حج میں آگ سی لگ گئی دمشق کے سفر میں جا بیہ
 میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، سکے ساتھ
 مختلف مذہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالبات اور
 کرنا تھا، مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ
 صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے خالد کی معزولی کا حذر کرنا تھا، ان تمام مطالب کے
 اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جتنے فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے
 فقہانے اُس سے فقہی سائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں
 پیدا لیکن تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا۔

۲۳ء میں جب حج کیا اور یہ اُن کا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی تذکرہ کیا کہ عمرؓ جب حج
 نو میں طلحہ کے ہاتھ پر بیت کردن گا، حضرت عمرؓ تمام منی میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں بیٹھتے
 پیش آیا اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برا فروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اس معصوم پر تلخہ دوں گا۔

عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کی کہ امیر المومنینؑ حج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں، اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے، مدینہ چکر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے، جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے، اس لئے منبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی، سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھوں نے پہلے نہیں کہی، عرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت، کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ہر نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا، جن مجموعوں میں غیر قویٰ میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ان میں اُنکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ دمشق میں بمقام جابریہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اُس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر محل اور جہتہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے نہیں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ جب غلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے تو دفعتاً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی، اسوقت یہ عذر کیا کہ ابو بکرؓ عمر خطبہ کے لیے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

مکاح کا خطبہ چھاپا
نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ مکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا، عبداللہ بن القنفذ جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا، اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اس نے کہا: مکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابر کی کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی امتیاز حالت نہیں ہوتی بخلاف اسکے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُسکو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اسوجہ سے خود بخود اُسکی تقریر میں بندی اور زور آجاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے کہ مکاح کے خطبہ میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار یہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولیس خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پتہ و معنی، فخر و ادعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا، لہٰذا پھر بیچ معاملات، خطبے میں نہیں آدا ہو سکتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے پولیس خطبے دیے۔ اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لیے جو
بائیں کا ہیں

خطبہ کے لیے لکھ کر تقریر کے علاوہ اور عارضی بائیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ نے سب
موجود تھیں آواز بلند اور پُر رعب تھی، قدرتا بلند تھا کہ زمین پر گھڑے ہوئے تھے تو معلوم
ہوتا تھا کہ منبر پر گھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیے
جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اُس کے الفاظ ہیں۔

اِنَّیْ اَحَدُ هٰذَا الْمَالِ فِیْهِ لِمِکُمْ الْاِخْلَالُ ثَلَاثٌ۔ اِنْ یُؤْخَذُ بِالْحَقِّ وَیُعْطَى بِالْحَقِّ وَیَمْنَعُ
مِنَ الْبَاطِلِ وَیُسْتَأْذَنُ اَحَدًا یُعْلَمُ اَحَدًا حَتّٰی اَصْحٰ خَدَّیْ عَلٰی الْاَرْضِ وَاصْنَعُ
قَدَمِیْ عَلٰی خَدَّیْ لَا یَزِیْدُنِیْ عَنِ الْحَقِّ۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ عَظَّمَ حَقَّہٗ
فَوْقَ حَقِّ خَلْقِہٖ فَقَالَ فِیْمَا عَظَّمَنِیْ حَقَّہٗ وَلَا یَا مَرْکُمَا اَنْ تَتَّخِذَا وَالدُّلَکَ اَرْجَا بَا۔
اَلَا وَاِنِیْ لَمَّا بَعَثْتُکُمْ اَمْرًا وَلَا نَبِیَّ اَرِیْنَ وَلٰکِنْ بَعَثْتُکُمْ اُمَّةَ الْهُدٰی۔ یٰھٰدِیْ یٰھٰدِیْ
وَلَا تَغْلِقُوا الْاَبْوَابَ دُ وَنْہُمْ فِیْ اٰکُلِ قَوْمِہِمْ ضَعِیْفُہُمْ۔

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

فَاَنْتُمْ مُسْتَخْلَفُونَ فِی الْاَرْضِ قَاہِرُونَ لَا اَہْلَہَا۔ قَدْ نَصَرَ اللّٰہُ دِیْنَکُمْ فَلَا تَضِیْعُوْا
اُمَّةً مِّمَّالَہٗ لَدِیْنِکُمْ اَلَا اَمَّا نَ۔ اُمَّةٌ مُّسْتَعْبِدَةٌ لِّلْاِسْلَامِ وَاھْلَہٗ یُحِبُّوْنَ کَلِمَہٗ۔
عَلِیْہِمْ اَلْمَوْثِقَةُ وَکَلِمَ الْمُنْفَعَةُ وَاُمَّةٌ مُّنْتَظِرُونَ وَقَالَ عَلِیُّ اللّٰہُ وَسَطَوَاتِہٖ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ
وَلِیْلَہٗ قَدْ مَلَأَ اللّٰہُ قُلُوْبِہُمْ رُعبًا۔ قَدْ دَہَمَتْہُمْ جُنُودُ اللّٰہِ وَنَزَلَتْ بِسَاحَتِہِمْ
سَرَفَاتُہٗ الْعِیْشِ وَاسْتَفَاضَہُ الْمَالُ وَتَبَاعُجُ الْبُعُوثِ وَسَدُّ الثَّغُورِ اَخْرَجَ

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۷۲۔ ۲۔ زاد المعاد صفحہ ۲۸۱ طبری۔

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ، اِنْ فَعَرَدُنْ بِرَبِّهِمْ تَعَالَى۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَدْعُنِيْ فِيْ
غَمْرٍ وَلَا تَاْخُذْنِيْ حَتّٰى يَمُوتَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْغَافِلِيْنَ۔

قوتِ تحریر کے ساتھ تحریریں بھی اُن کو کمال تھا، اُن کے فراہم خطوط، دستور العمل، توجہات
ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو تحریریں مضمون پر ہے اُس باب میں بے نظیر ہے چنانچہ
ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لِلنَّاسِ لَفَرْقَةً عَنْ سُلْطَانِهِمْ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَدْرِكْنِيْ وَاَيَاكَ
يَحْيَا عَجْهُوْلَةٌ وَضَعَاءٌ مِّنْ مَّجْمُوْلَةٍ وَاَهْوَالٍ مُّبْتَلَعَةٍ۔ كُنْ مِمَّا مَالِ اللّٰهُ عَلٰى حَذَرٍ وَخَفَتِ
الْفَسَاقُ وَاَحْبَبَ لَهُمْ يَدًا اَيَّدَا وُرَجَلًا رَجَلًا وَاِذَا كَانَتْ بَيْنَ الْقُوَّةِ ثَائِرَةٌ يَالْفُلَانُ
يَالْفُلَانُ فَمَا نَمَّا تَلْكَ مَجْوِي الشَّيْطَانِ فَاصْرِبْ بِهِمْ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يَمِيْنُوْا اِلَى اَمْرِ اللّٰهِ
وَيَكُوْنُ دَعْوَتُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْقُوَّةَ فِي الْعَمَلِ اِنْ لَا تَوْحُّدُ حُرِّ وَاَعْمَلِ الْيَوْمَ لَعَنِيْ فَانْ كَمَ اِذَا مَكْتُمٌ
ذَلِكَ تَدَا مَرَكْتَ عَلَيْكُمْ اَعْمَالٌ فَلَمْ تَدْرُوْا اَيُّهَا تَاْخُذُوْنَ فَاَضَعْتُمْ۔

عمر بن العاصؓ کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انھوں نے خراج کے بھیجنے میں
دیر کی، حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاصؓ نے لبت و لعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ میں

لے عقد الفریضات عمرؓ

اگر زبردتدید کا خط لکھا، عمرو بن العاصؓ نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا
یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں، ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے
زور قلم کا انداز ہوتا ہے، بعض فقرے یہ ہیں۔

وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَنْعَلِكْ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا أَنْتَ عَمَّا لَكَ عَمَّا السُّوءِ - اتَّخَذْتُكَ
كَهَفًا وَعِنْدِي بَأَدَانِ اللَّهِ دَوَاءٌ مُفِيدٌ شِفَاءً - إِنِّي عَجِبْتُ مِنْ كَثْرَةِ كِتَابِي إِلَيْكَ فِي
إِبْطَالِكَ بِالْحَرْجِ وَكَتَابِكَ إِلَيَّ بِتَنْبِيَاتِ الطُّرُقِ عَمَّا سَأَلَكَ فِيهِ - فَلَا تَجْعَلْ
أَبَا عَبْدِ اللَّهِ إِنْ يُوْخِذُ مِنْكَ الْحَقُّ وَتُعْطَاكَ فَانِ النَّهْرُ يُخْرِجُ الدُّرَّ -

شعرو شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر
بہت کم کہتے تھے، لیکن شعرو شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں
یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام، کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء
کے کلام پر ان کی خاص خاص اہل یقین اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں
ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا رکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشيق القيرواني، کتاب العمدہ میں
جس کا نسلی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وَكَانَ مِنَ الْقَدِّ أَهْلَ زَمَانِهِ لِلشَّعْرِ - یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے
وَأَفْهَمُهُمْ فِيهِ مَعْرِفَةً - نقاد اور دانشناس تھے

جا حظ نے۔ کتاب البیان والتبيين میں لکھا ہے

سہ کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء ۱۲

مذاق
شاعری

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَعْلَمَ النَّاسِ بِعِلْمِ عَمْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ
بِالشَّعْرِ

شنا ساتھے۔

بخاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن بقل کے خاندان کی چوکی تھی ان لوگوں نے حضرت عمرؓ
سے اسکی شکایت کی حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے حکم فرما دیا اور جو
فیصلہ انھوں نے کیا اسی کو نافذ کیا اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت
عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے اس لیے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے یہ بھی لکھا ہے
کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے
ورنہ شعر کے دقائق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا لیکن تین شاعروں کو انھوں نے
سب میں انتخاب کیا تھا، امرؤ القیس، زہیر، نابغہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام
سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اسکو اشعر الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علماء
ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عجب سب سے بڑا شاعر کون تھا بالین
اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہی تینوں میں محدود ہے حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر

کو سب پر ترجیح تھی اجریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک فہم ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن
عباسؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء

۱۔ کتاب البیان والتبيين مطبوعہ مصر صفحہ ۷۷ دیکھو کتاب البیان والتبيين المجاذاصفیہ ۷۷ و کتاب العمدة

باب تعرض الشعراء ۱۲

حضرت عمرؓ زہیر
کو اشعر الشعراء
کہتے تھے

کے اشعار پڑھو، عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیرؓ انھوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اُسکے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

کلامہ لا يتبع حوشی الکلام ولا يعاظم ولا زہیر، ہا، اوس الفاظ کی تلاش میں نہیں ہتا۔ اسکے کلام میں من المنطق ولا يقول الا ما يعرف ولا پیچیدگی نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی باندھتا ہے جس وقت کہ جب کسی میندح الرجل الا بما يكون فيه بیج کرتا ہو تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہو جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔ پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قيس بن عيلان غايه من الجحد من يسبق اليها ليوود ولو كان حمل عيلا الناس لم تموت ولكن حمل الناس ليس عيلا ناقدين فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھ کر خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں، کہ اُس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُسکی زبان ایسی شستہ ہے، کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے، اسکے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیرؓ کا مدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیرؓ اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیرؓ کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیرؓ خوب کہتا تھا، اُس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خواہ دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج

زہیر کی نسبت
حضرت عمرؓ کا
بیان کرنا

بھی باقی ہے۔ ”زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تجھ سے باپ کو جو خلعت دیے تھے کیا ہوئے
 اُس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تجھ سے باپ ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ انکو بوسیدہ کر سکا
 زہیر کے بعد وہ نابغہ کے مترف تھے اور اُسکے اکثر اشعار اُن کو یاد تھے، اُمّ شیبہ کا بیان
 ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے
 کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا۔ یہ شعر کس کا ہے؟

اَلَا سَلِمَانٌ اِذْ قَالَ اِلٰهَ لَهُ قَعْمٌ فِي الْبَرِيَّةِ فَاَحَدٌ هَا عِنَ الْفَنَدِ
 لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اَتَيْتُكَ عَارِيًا خَلِيتًا شَيْبَانِي عَلَى خَوْفٍ تَلْظُنُّ بِي الْقُطُونَا
 لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حَاظْتُ فَاَلَمْ اَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيْبَةً وَلَيْسَ وِرَاءَ اللهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبٌ
 لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا ”یہ شخص اشعر العرب ہے“

با اینہم وہ امراء القیس کی اُستادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت
 عبداللہ بن عباس نے شعر کی نسبت اُنکی اُسے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سَاءَ بَقِيَّتُهُمْ خَسَفَتْ لَهُمْ عَيْنُ الشَّعْرِ وَهَبَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ
 واقفتر عن معانِ عَوْسٍ اَصْحَرَّ بَصِيرِ
 وہ سب سے آگے ہے۔ اسی نے شعر کے چھپے سے باقی کا لایا۔
 اذہم مضامین کو بنایا کر دیا۔

آخر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یعنی تھا اور اہل میں نصاحت بلاغت میں کم درجہ پر

نابغہ کی
 تعلیق

امراء القیس
 کی نسبت
 اُنکی سلسلے

مانے جاتے تھے، چنانچہ علامہ ابن رشيق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے
 حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مڑے لے لیکر پڑھتے
 تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

وَإِنَّ الْحَقَّ مَقْطَعُهُ لَشَدِيدٌ مَيِّتٌ أَوْ فَنَاءٌ أَوْ جَلَدٌ

شکوہِ ذوق

تو حسنِ تقسیم پر بہت محظوظ ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے ایک اور دفعہ
 عبدہ ابن الطیب کا لایۃ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر۔

وَأَمْلَأَ عُسَاعِيَ لَأَمْرًا لَيْسَ يَدْرِكُهُ وَالْعَيْنُ تُشْمُ وَاشْفَاؤُهَا مَيْلٌ

پھر ٹک اٹھے اور دوسرا صرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا
 قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دھرایا کرتے۔

اگرچہ ان کو مہاتِ خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا

حفظ اشعار

تھا تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعرا دتھے علمائے ادب کا بیان
 کہ ان کے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معائنہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے،

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جنہیں خود درائی آزادی، شرافت

نفس، حیثیت، غیرت، کے مضامین ہوتے تھے، اسی بنا پر، اُمرائے فوج اور عمالِ ضلالت

کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ

فرمان بھیجا۔

مَنْ مِنْ قَبْلِكَ بَعَثْتُ الشُّعْرَاءَ
 يَدُلُّ عَلَى مَعَالِي الْأَخْلَاقِ وَصَوَابِ
 الرَّأْيِ وَمَعْرِفَةِ الْأَنْسَابِ
 لوگون کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو۔ کیونکہ وہ اخلاق
 کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کے طوطے
 دکھاتے ہیں

اشعار کا تعلیم
 میں داخل کرنا

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُسکے یہ الفاظ تھے۔
 عَلِمُوا أَوْلَادَكُمْ الْعُورَ وَالْفُؤُوسِيَّةَ
 وَرُؤُوسَهُمْ مَا سَارَ مِنْ أَمْثَلِ وَحُسْنِ مِنَ الشُّعْرِ
 اپنی اولاد کو بیزنا اور شماری سکھلاؤ اور ضرب المثلین اور
 اچھے اشعار یاد کرو۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے
 عیوب مثادیے، اسوقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا، شریف عورتوں کا
 نام علانیہ اشعار میں لائے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس
 رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا۔ اور
 حلیہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ: بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ، ایک شاعر نے اُن کی ہجو لکھی، انھوں نے
 حضرت عمرؓ سے اگر شکایت کی حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ انھوں نے یہ شعر پڑھا۔
 إِذَا اللَّهُ عَادَى أَهْلَ لُؤْمٍ دَرَسَتْ
 فَعَادَى بَنِي الْعَجْلَانِ رَهْطَ ابْنِ مُقْبِلِ
 خدا، اگر کہیں آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے
 تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے
 حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تو ہجو نہیں بلکہ بد دعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اُسکو قبول نہ کرے۔

انھوں نے دوسرا شعر پڑھا

قَبِيلَتَهُمْ وَلَا يَعْبُدُونَ بِذِمَّتِهِ وَلَا يَطْلُبُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْءٍ دَلَّ

یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا نام خاندان ایسا ہی ہوتا" حالانکہ شاعر نے اس کا ظ

سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

وَلَا يَكْرُدُونَ الْمَاءَ إِلَّا عَشِيَّةً إِذَا اصْدَدَّ الْوَرَادُ عَنْ كُلِّ مَنَهْلٍ

یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صحت رات کے وقت جاتے ہیں جب اور لوگ واپس آ چکے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس کا ظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بیکس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے

تھے حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے "انھوں نے آخری شعر پڑھا

وَمَا سَمِيَ الْعَجْلَانُ إِلَّا لِقَوْلِهِمْ خذ الْقُعْبَابَ حَلْبًا إِنَّهَا الْعَبْدُ وَالْعَبْلُ

اُس کا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے کہ اسے اُو غلام! پیالے اور جلدی سے دودھ دو

حضرت عمرؓ نے فرمایا "سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا یعنی کئی

پشتون سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطابؓ مشہور نسب تھے حضرت عمرؓ اس فن کی تعلیم

کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے، خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت

رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں،

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

علم الانساب

عبرانی زبان
سے روایت

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنہ پہنچکر انھوں نے عبرانی زبان میں لکھی تھی روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبری نہیں جانتے تھے اس لیے یہودی پڑھکر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔

كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ يَعْنِي أَهْلَ الْكِتَابِ تَوْرَتُ كُتُبِ عِبْرَانِي رِبَانِ بْنِ بَرَسَةَ تَحْتِ
وَلَيْسَتْ وَهِيَ بِالْعَرَبِيَّةِ إِلَّا أَهْلُ الْإِسْلَامِ اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے
سند دارمی میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت کا چہرہ غم
ہوتا جاتا تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ
توریت کو خود پڑھ سکتے تھے

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس
ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، اُن کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس
کے دن اُنکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے
ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

۱۔ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی بیروت صفحہ ۱۰۹۔ ۲۔ مسند دارمی مطبوعہ مکتبہ کتب خانہ صفحہ ۲۲۔ ۳۔ کنز العمال ج ۱۲: ۱۲۱

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ بندی نے یہاں بھی کام دیا یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر اُن کے یہودہ افسانوں اور قصوں سے انکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے اُنکے پڑھنے سے روکا۔
 ذہانتِ طباعی اُن کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُن کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علی کمالات میں اوپر گزر چکا۔ لیکن اُن کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب اُنھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برسوں بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربارِ خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے،

وَنُيِّدُ الَّذِينَ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَضِيعُونَ
 فَالْأَرْضُ وَتَجْعَلُهُمْ أُتْمَةً وَنُجْعَلُهُمْ آلًا
 ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کہ درہن احسان کر رہے ہیں اور ان کو

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ خدایا! مجھ کو فتنوں سے بچانا، فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدایا تم کو آلِ اولاد نہ دے۔ (قرآن مجید میں خدائے آلِ واولاد کو فتنہ کہا ہے) اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اسکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کیون نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (خدا) وہ ہے جو تمکو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے،

حکیمانہ مقولے

اسنے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال سیوانی کے

خاتمہ میں کثرت سے نقل کیے ہیں انونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مَنْ كَتَمَ سِرَّهُ كَانَتْ اخْبَارُهُ يَدًا (جو شخص اپنا راز چھپاتا ہو وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہو)

الْقَوَامُ مَنْ تَبَغَّضَهُ تَلَوَّكُمُ (جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔)

أَقْلَلُ النَّاسِ أَمَدَ رُحْمِ النَّاسِ (سے زیادہ قتل و شخص پر چھاپنے فعال کی اچھا دلیل کر سکتا ہو۔)

كَأَنَّكَ خَرَعْتَ عَلَى يَوْمِكَ إِلَى عَدَاكَ (آج کا کام کل پر اٹھانے رکھو،)

أَبْتِ الدَّيْنِ نَا هُمُ إِلَّا أَنْ يَخْرُجَ عَنْهَا (روپے، سراونچیا کیے بغیر نہیں رہتے،)

مَا أَدْبَرَ شَيْءٌ مَا قَبِلَ (جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔)

مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الشَّرِيفَ فَبِهِ (جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہیں وہ بُرائی میں مبتلا ہوگا۔)

مَا سَأَلَنِي رَجُلٌ إِلَّا تَبَيَّنَ لِي فِي عَقْلِهِ (جب کوئی شخص مجھے سے سوال کرتا ہو تو مجھکو اسکی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے)

(روا عظم سے خطاب کر کے) لَا يُلْهِكَ النَّاسُ (لوگوں کی سرگرمیوں تم اپنے تئیں بھول

نہ جاؤ

عَنْ نَفْسِكَ۔)

أَقْلَلُ مِنَ الدُّنْيَا تَعَثُّ حَصْرًا (دنیا تھوڑی سی لو تو آزاد نہ بسر کرو گے۔)

تَوَلَّى الْخَطِيئَةَ اسهل من معالجة التوبة (توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔)

لی علیٰ مکی خاتون امینات الملاء والطلین ہر دو دیانت پر میرے دو دوست تھیں ہیں۔ آپ دگل
 کو اَنَّ الصَّبْرَ وَالشُّكْرَ بَعِيرَانِ اگر صبر و شکر دو سوار یا دو ہونین تو میں اسکی نہ پرز کرتا کہ
 مَا بِالْبَيْتِ عَلَىٰ إِلَيْهِمَا رَكِبْتُ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں

سَاحِدَ اللَّهِ امْرُوءًا اهْدَىٰ خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب سے پرہیز
 اَلْأَيُّ عِيُوْبِي تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر سے عیب ظاہر کرتا ہے)

راے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ ”جب عمر کسی معاملہ
 میں یہ کہتے تھے کہ ”میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے“ تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا گمان ہوتا
 تھا۔“ اس سے زیادہ اصابتِ رائے کی کیا دلیل ہوگی تو ان کی بہت سی رائےیں مذہبی احکام
 بن گئیں اور آج تک قائم ہیں نماز کے اعلان کے لیے جب ایک مین طریقہ کی تجویز پیش
 ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائےیں پیش کیں کسی نے ناقوس کا نام لیا کسی نے ترہی کی

رائے دی، حضرت عمرؓ نے کہا ایک آدمی کیون نہ مقرر کیا جائے عزا کی منادی کیا کرے
 آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ
 قائم ہوا، اور حقیقت ایک مذہبی فرض کے لیے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزون

نہیں ہو سکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا، تو حضرت عمرؓ نے جو رائے
 دی، وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواجِ مطہراتؓ پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں
 حضرت عمرؓ کو اس پر برا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، لیکن آنحضرتؐ

لے صحیح بخاری باب اسلام عمر۔

باب الرزا
ہونا

کا طریقہ
تشریح
ہو

بران پردہ
واجظہر
اہرہ

وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیت حجاب کہتے ہیں
 عبدالمعین ابی جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بنا پر اس کے
 جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمرؓ نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ سنا فک کے جنازے پر
 نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ جِزْيَةً شَيْئًا مِنْهُمْ قَدْ كَفَرُوا بِالْحَقِّ
 وَمُسلّم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

منافقوں پر
 نماز جنازہ

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون فرماتے ہو اور نہ حضرت
 ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے مخالفت
 کی تھی، تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہان جہان اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف
 ہوا، بائستثنائے بعض موقعوں کے، عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب نکلیں، مالک مفسر
 کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرایے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دے جائیں ایک حضرت عمرؓ اس رائے
 کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی حکومت آج شنگاری
 سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا
 برابر حصہ لگاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے
 مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے اہمات اولاد
 کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی، ان تمام واقعات میں حضرت

سید قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب بنشأ الناس في السوادين اثنى فرقى
 ان يقسمه دوسری جگہ کہتے ہیں ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وجاءت المسلمين ايرادوا اعمد الخطاب
 ان يقسم الشام أربعاً۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۵۰)

عمر کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں،

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لیے گئے، حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائے دیں اور وہ سب صحیح نکلیں،

وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، ان کا قول تھا کہ: لا یعجبکم من الرجل طنطنة یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سُکر دھوکے میں نہ آؤ، اکثر کہا کرتے تھے: لا تنظر فی الی صلوٰۃ یعنی آدمی کی نماز اور روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل اور ولا صیامہ و لکن انظر الی عقلہ و صدقہ کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُن کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس شخص کو ظاہر میں نہاد و پارہ سادہ دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبد الکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں! انھوں نے فرمایا کہ

غریبی بکثرتہ جلوسہ فی المسجد یعنی اس نے مجھ کو صو کا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا

ہو جائے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُس وقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ اُنھوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا حکم دیا کرتے تھے، ابو بکر بن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کیے تھے، لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدھر ہے تو اُس کے مارنے کے لیے رُزہ اُٹھایا۔
حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہؐ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سراب پر چھوٹ جائیں، نہ ہکو ثواب ملے نہ عذاب! ابو موسیٰ نے کہا نہیں میں تو آپس پر گزرا رضی نہیں! ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہکو بہت کچھ اُمید ہے، حضرت عمرؓ نے کہا: اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظَلَمُوا لِنَفْسِي غَيْرَ أَنِّي مُسْلِمٌ أَصَلَّى الصَّلَاةَ كُلَّهَا وَأَصُومُ

مین نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں۔ ان اتنا ہے کہ مسلمان ہوں اور نماز میں پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں
حضرت عمر اگرچہ مذہب کی محکم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے اور آج کل کے مفلس
لوگوں کی طرح تصلب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا نقد
کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاری اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ
تَوَضَّأَ مِنْ مَاءٍ جَمْعًا مِنْ غَدِيرِ فِصْرَانِيَّةٍ بَنُوِي کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے
تَوَضَّأَ عَمَّنْ مَاءٍ فِي بَحْرِ نَصْرَانِيَّةٍ یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھر کے
پانی سے وضو کیا۔ بنوی نے حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیڑ پاتے ہیں اسکو
کھاؤ، عیسائیوں وغیرہ کا کھانا، آج کل کردہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات
میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گزر ہو تو عیسائی اسکو تین دن مہمان رکھیں،
آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کا چیر چال تھا کہ
مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ انکی نسبت حم اور ہمدی کی جویت
کی وہ صحیح بخاری دکتا بکراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس امر کو
حضرت عمرؓ کے حاسن فضاہلی میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو
مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے، کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحبؒ
کے خاص الفاظ یہ ہیں ”وزان جملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود“

عجب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسردہ کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بہت منع کرتے تھے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے لیکن جس شخص نے عجب طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان کی روایتوں کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق میں شام کا دفتر مالکداری جس قدر تھا سربانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اس وجہ سے فتر مالکداری کے تمام عامل مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمرؓ نے تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں تصریح لکھا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

ابْعَثْنَا إِلَيْنَا بُرْهَیْ یَقِیْمُ لَنَا حَسَابَ الضَّنَا ہمارے پاس ایک آدمی کو بھیجو جو الفاضل کے حساب کو درست کرے،
✓ آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ میں نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں غیر مذہب واسے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ آج کل یورپ ملے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں ان کو کھنچا جائیے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے اسلام کی تصویق خلفائے راشدینؓ کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے

حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکثر علمی سائل گفتگو ہوا کرتی۔ ایک دن اصحابؓ رُوحہ جہنم میں

علمی صحبتین

رسول اللہ کے شریک تھے، مجلس میں جمع تھے، حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اذ اجاء نصرہ اللہ والفتح سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں بعض بالکل چپ رہے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا انھوں نے کہا "اسمین آنحضرت کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اسے محمدؐ! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے، اس لیے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ بے مشہد خدا پر توبہ قبول کرنے والا ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تونے کہا یہی میرا خیال ہے۔

ایک اور دن، صحابہ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباسؓ بھی شریک تھے حضرت عمرؓ نے اس آیت کے معنی پوچھے اَیُّوْذُ اَکْذَرُ کُھَا اَنْ تَکُوْنَ کَہُ جَنَّةَ۔ لوگوں نے کہا خدا زیادہ جانتا ہے حضرت عمرؓ کو اس لا حاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم ہے، عبداللہ بن عباسؓ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارا خیال میں ہو بیان کرو" عبداللہ بن عباسؓ نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی مثال دی ہے، چونکہ جواب نامتام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے لیکن اُس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے" ایک دفعہ، ماجرین صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں مأخوذ

ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آئے، حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی اُنھوں نے کہا کہ قرآن کی آیت ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے " پھر یہ آیت -

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَمْنَىٰ جُنَاحٌ فِيمَا كَرِهُوا -
پیا، اُن پر الزام نہیں۔

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بزرگ حدیبیہ، خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہوں، اس لیے میں اُن لوگوں میں داخل ہوں جنھوں نے اچھے کام کیے، حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہ یہ معافی پیچھے زمانہ کے متعلق ہے لیکن جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اُن کے احوال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں، اسکے بعد یہ آیت پڑھی حسین شراب کی مانعت کا صریح حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ الْمَيْسُورُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَدَاكُمُ حُرْبٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ -

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نوعمر اور معرود کی تمیز نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے۔

وكان القراء اصحاب نجاش عسمر یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل شورت علماء تھے۔ خواہ
وَمَشَارَتِهِمْ كَهَوْلًا كَانُوا أَوْ شَبَابًا -
بوڑھے ہوں یا جوان،

۱۔ از لایہ انھما بحوالہ روایت حکم صفحہ ۲۱۳ ص ۳۵ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۹ بخاری نے نہری سے روایت کی ہے
کان عسمر عن مشقانی القراء (از انھما صفحہ ۱۱۹)

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے، انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن بن عوف، حذیفہ بن یمان تھے حضرت عمرؓ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیازِ مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے، و علیٰ ہذا۔ لیکن کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لیے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباس کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمہ سہی نہ کریں، یعنی جو کچھ کہنا ہو، سب کے بعد کہیں، اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے، مسائل سے متعلق اسے دینے میں جھکتے حضرت عمرؓ ان کو بہت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے، عبداللہ بن عباس اُس وقت بالکل نوجوان تھے، ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمرؓ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی بہت قدر کرتے تھے، سلسلہ میں جب ان کو کوفہ مفتی اور ابنِ خزیمہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ ”میں ان کو محکم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں“

اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ اُن کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں، بارہا
ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو اُن کی شان میں فرمایا۔
کَيْفَ مَرَّ عَلَى عِلْمًا یعنی ایک طرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص اُن کا ہمسر تھا، تاہم وہ
اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں
علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے
تھے اور اُن سے ڈرتے تھے، ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار
اٹھ گیا، زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا جانشین کرتے تھے اور جب اُس آتے
تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر اُن کو عطا کرتے تھے۔ اسی طرح، ابو عبیدہؓ، سلمان فارسیؓ،
عمیر بن سعدؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سالمؓ، ابو درداءؓ، عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے
تھے۔ بہتے صحابہؓ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کیے تھے کہ وہ فضل و کمال میں
ممتاز ہیں۔ ابو ذر غفاریؓ، جنگ ہرین شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ صحابہؓ کے
برابر مقرر کیا تھا اس بنا پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

ان کی قدر دانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اُس کے
ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن دھبؓ اگلی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر
کیا کہ وہ پُر خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ خارجہ بن خالدؓ اور عثمان بن ابی العاصؓ

کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے کہ خارِ ثبہ بہادر اور عثمان نہایت فیاض تھے۔

لطیفہ ایک دفعہ بغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیج دو۔ بغیرہ نے پہلے اغلب علی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی اس نے یہ شعر پڑھا۔

لَقَدْ طَلَبْتَ هَذَا مَوْجُودًا اَسْ جَزَاءُ رِيْدٍ اَمْ قَصِيْدًا

تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی بولو، قصیدہ چاہتے ہو یا رجز؟
پھر لبید کو بلا کر یہ حکم سنایا وہ سورہ البقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عطا کیا ہے، بغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی، وہ ان سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کر دو، اغلب نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا صلہ ہے! حضرت عمرؓ نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اسکی تحواہ بھی بجا ل رہے دی۔

اس زمانہ میں جس قدر راہل کمال تھے، مثلاً شعراء، خطباء، نساب، پہلوان، بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدردانی کے مشکور ہوئے اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت خلیفۃ علی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ روتا کرتا اور شیے کھا کرتا جس طرف سے نکل جاتا، زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے

مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی اُس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے،
 وَكُنَّا كَمَنْدُ مَا نِي جَذِيمَةً حَقْبَةً مِنْ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا
 ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے دیوں کی طرح ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب جدا ہونگے
 فَلَمَّا تَقَرَّفْنَا كَانِي وَمَا لَكَا لَطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبْتَ لَيْلَةً مَعَا
 پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک بات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی
 حضرت عمرؓ نے متم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر تجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زیدؓ
 کا مرثیہ کہتا، اُس نے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح دینی شہید ہو کر، مارتا
 تو میں ہرگز اُس کا ماتم نہ کرتا، حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متم نے جیسی میری تعزیت کی
 کسی نے نہیں کی۔

اُسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گوشاعرہ خنساءؓ تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے
 جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے، علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن
 میں آج تک خنساءؓ کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو کعبہ میں روتے اور چیختے
 دیکھا، پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اُس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے
 تو چار دن کی تنخواہیں اُس کے نام جاری کر دیں،

ہبلوانی اور بہادری میں دو شخص طلحہ بن خالدؓ اور عمرو معدیکربؓ تمام عرب میں ممتاز تھے
 اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بلوایا

اور قادیسیہ کے معرکہ میں جب اُن کو بھیجا تو سعد و قاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں، عمر معذکریٹ پہلوانی کے ساتھ خطیب اور ثناء عربی تھے حضرت عمرؓ ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلمہ جنگس کی نسبت جو سوالات کیے اور عمر معذکریٹ نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقرات میں جواب دیئے اسکو اہل عرب نے عموماً اور سعودی نے مروج الذہب میں تفصیل لکھا۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَحْوَكْ وَرُبَّمَا خَافَكَ۔ یعنی ”تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیتا ہے۔“

پھر تیرون کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرْدُ الْمَنَابِیْ اَخْطِیْ وَنَصِیْبٌ یعنی ”سو کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچے اور کبھی ہلکے جاتے ہیں“

ڈھال کی نسبت کہا عَلَیْهِ خَتْوُ وَرَالَدٌ وَاَشْرَسُ اِیْطَحِ اِیْکَ اِیْکَ ہتھیار کی نسبت عجیب

عجب بلیغ فقرے استعمال کیے جسکی تفصیل کا یہ عمل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع

کر دیا اور حضرت عمرؓ نے اُن کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہؓ وغیرہ کے روزِ نشی

مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں

لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیبِ مارج میں سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات

کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی

شعاعین شباب
رسول اللہ کا
پاس و محاذ

حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتدا کی۔ ہوا ششم کے بعد آنحضرتؐ سے نسب میں قریب ہوا انتہی تھے پھر بنو عبد شمس و بنو نوفل پھر عبد الغزی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے، تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحابِ بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہؐ کے ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہؓ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہؓ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلیم اسامہ کو تجھ سے، اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی ابتداء سے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب نزدہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہؓ ہر کا انتقال ہو چکا۔ تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو مصاحبت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علیؓ کو خلافت کا لال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی، چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی ہمت میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور

۱۔ یہ تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۰۴ میں ہے ۲۔ بخاری کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ اھیۃ لمحضہ عمرؓ۔

حضرت علیؑ بھی نہایت مستانہ اور غلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہادند کے معرکہ میں انکو سپاہ لار بھی بنانا چاہتا تھا لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے۔ تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دیکر گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؑ نے حضرت ام کلثومؑ کو جو غلط نہ ہر ایک بطن سے یقین ان کے عقد میں دیدیا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق، عادات
تواضع اور سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں، مؤرخوں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت، ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک ٹرخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالد بن ولیدؓ و امیر معاویہؓ سے باز پرس ہے، سعدؓ قاصد ابوموسیٰ اشعریؓ عمرو بن العاصؓ کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا ٹرخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر حالت میں باتو کا ندھ پر مشک لیے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر بانی بھڑاہے۔ یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لیے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور میندگی جھپکی سی آگئی ہے۔

بارہا کہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہان ٹھیرے کسی کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں بڑبڑاہے ابن سعد کی روایت کے انکا روزانہ خانگی خرچ دلو درہم تھا جس کے کم بیش ۱۰ ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ خف بن قیسؓ سامی عز

کے ساتھ ان کے لئے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے اور دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا اؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو ایک اونٹین کتنے غریبوں کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین! آپ کیون سی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا۔ آئی عُبْدُ عُبْدُ مَنِّی یعنی ”مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے“

موطا امام محمدؒ میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر فضا کی حاجت کے لیے سواری سے اترے اُسلم اُن کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو دھول کر کسی مصلحت سے اُسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اور اہل شام استقبال کو آرہے تھے جو آتا تھا پہلے اُسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں اُن شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک نے مین مین اسقدر زنا دار تھا کہ لوگوں کو بانی بھر کر لایا کرتا تھا وہ اُس کے صلے میں جھکو جھوہار سے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا، یہ لکھ کر منبر سے اُتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کھنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں زنا غور آ گیا تھا، یہ اسکی دوا تھی۔

سومین سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ان کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا، سعید بن المسیبؓ جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے

دعا کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب الطحین ہو چکے تو سنگریزے سمیٹ کر اسپر کڑا ڈال دیا، اور کوئیکہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری سرب زیادہ ہو گئی۔ اور قومی کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھالے۔

اگرچہ خلافت کے انکار نے اُن کو خشک مزاج بنا دیا تھا لیکن یہ انکی طبعی حالت تھی کبھی زندہ دلی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشتغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ ”اب قرآن پڑھو“

حدث ابن جوزیؒ نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے ایک دفعہ سرفرج بن حضرت عثمانؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ہم سنوں کے ساتھ چل کر تے تھے اور غفل کے دانے اچھالتے چلتے تھے، حضرت عمرؓ فرماں اسقدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فریاد کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رُکے لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباحؓ نے گانا شروع کیا، حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”بس رباحؓ کے ذکر کا وقت ہے“، ایک دفعہ سرفرجؓ میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے، فرمایا کہ ”گانا، شتر سواروں کا زادِ راہ ہے“، عوات بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ ”ایک دفعہ سرفرجؓ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، ابوسعیدؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ

بھی ہر کاب تھے، لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار کا دُ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں، چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں نوہ قمرؓ تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدون تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو عبور کر کے اپنے ساتھ لیا، ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے، اس لیے اگر ابوالبختری، یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو

قتل نہ کرنا، ابوحنیفہؓ بول اُٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت، واللہ اگر عباسؓ مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں اُن کو تلوار کا فرہ چھاد گنا، آنحضرتؐ

کو اُن کی یگستاخی ناگوار گزری حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابوحنیفہؓ! حضرت عمرؓ کی کینت تھی، دیکھتے ہو اعم رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ آپ سے باہر ہو گئے اور

کہا "اجازت دیجئے کہ میں اس کا سراؤ ادا دوں" خلیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ اُن کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اُن سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن بلتہ ایک غرض صحابی تھے، اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، انھوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفار کے سے خفیہ خط و کتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ

برا فردختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں! آنحضرتؐ نے فرمایا ابن الخطاب! تجھ کو کیا معلوم ہے خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو

اب کی سختی

چاہو کرو میں سب ساقی کروں گا۔ دو نوجوان ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرتؐ کے گستاخانہ کلام محمدؐ اعدا اختیار کر کے حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اُسکو قتل کر دیں لیکن حضرتؐ نے منع کیا۔ ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی اور کافر تو کافر، خود مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت، اور عمرؓ کے ان خطاط، اور خلافت کی مہمت نے ان کو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس حدی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔

اُن دلائل کے
ساتھ سمجھ

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں، قرآن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدلہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو بالکل شفقت تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی حمید و عزت کرنی چاہتے نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب الایمان میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ اگر ان جاہلیت میں عورتوں کو باطل بیچ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھ گئے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم انکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا، انھوں نے بھی برابر جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمھارا یہ تہہ پہنچا وہ بولیں کہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہؐ سے دو بدو ایسی ہیں کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں اُن کے لطف سے عاصم پیدا ہوئے عاصم بھی پیر
ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے کسی وجہ سے اُن کو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ تھا اور حضرت

عمر قبائے جہان پہلے رہا کرتے تھے۔ اٹھکر دینے میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جائیکے عاصم، بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت عمرؓ نے انکو کپڑا کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ آن کر فرما رہی تھیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے پاس لکھون گی۔ جھگڑا طویل کھنچا اور وہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاں فریادی آئیں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیے وہ مجبور رہ گئے، یہ واقعہ موطا امام مالکؒ وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اوپر بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی، البتہ زیدؓ سے حقیقی بھائی تھے نہایت التفیق تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا جلتی ہو تو مجھ کو زیدؓ کی خوشبو آتی ہو۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر عتیم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آیا تو فرمایش کی کہ زیدؓ کا مرثیہ کہو مجھ کو تمہارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے، مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ رہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبویؐ سے متصل، باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بچکر ان کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے اسکو خرید لیا اور زرقمیت

وسائلِ معاش
تجارت

قرض ادا کیا گیا اس لیے یہ مکان مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا،

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث مہتیزان کی
لاعلیٰ کا انھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ
کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی
ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں ہجیر ابو بکرؓ و عمرؓ کو جاگیریں
عطا کیں، خیبر فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔
حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اُس کا نام تنع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔
مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں
قلبنہ کر دیے تھے، یہود بنی حارثہ سے بھی انکو ایک زمین ہاتھ آئی اور اُس کا نام بھی تنع تھا،
لیکن انھوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں، خیبر کی زمین کے وقف
کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے، وقف میں جو شرطیں کیں یہ
تھیں، یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ بہہ کی جائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے
حاصل ہوگا وہ فقراء ذوی القربی، غلام، مسافر اور یتیمان کا حق ہے۔

خلافت کے چند برس بعد انھوں نے صحابہ کی خدمت میں صیارت ضروری کے لیے
درخواست کی، آپؐ حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک

۱۔ دیکھو خلاصۃ النوار فی اخبار دارالصفیۃ، ص ۱۶۹ و ۱۷۰ حاشیہ، خط امام محمد بن عقیل، ص ۲۷

۲۔ خلاصۃ النوار، لفظ تنع۔

اور لباس کے لیے کافی ہو۔ شاہدین جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اوراکا پر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت ٹائی پر دیدیتے تھے تخم کبھی خود دھنیا کرتے تھے اور کبھی اس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب الزراعت میں یہ واقعہ تصریح موجود ہے۔

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گہون کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القوامین جو کاکا الترام کر لیا تھا کبھی کبھی شعہ چینیہ دسترخوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت روغن زیتون۔ دو دھڑکاری سرکہ۔ مہمان یا سفر آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برتن ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی دھب کی ہوتی تھی جس میں قسم لگا ہوتا تھا۔

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر جوید ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ترک گھر میں رہتے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہنا کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ وہ نہایت لائق تحسین و تعجب کو پہنچے تھے۔

زراعت

غذا

لباس

سادگی اور بے تکلفی

اس باب میں اُن کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھوں نے میر کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بن تھا اور بالوں میں خوش بیل پڑا ہوا تھا حضرت عمر نہایت راض ہوئے اور وہ کپڑے ترواکر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہو اور پٹھے پڑانے کی پٹے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ ”یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پرانگندہ رہنا چاہیے نہ پٹیان جانی چاہئیں۔“ حاصل یہ کہ نہ یہ وہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گون قد نہایت لانا بہا تک کہ سیکڑون ہزاروں آدمیوں کے جمع میں کھڑے ہوتے تھے تو انکا قد سب سے نکلا ہوا تھا۔ رخصائے کم گوشت گھن کی اڑھی بونچھینٹی پٹ کی کچال سانے اڑھی تھے حضرت عمر نے ہر صنف میں جو خوشی باتیں ایجاد کیں انکو مؤخرین کیجا لکھا ہوا اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم انکے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول آخر نسبتہ دار

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا،

(۲) عدالتین قائم کیں اور قاضی مقرر کیے،

(۳) تاریخ اور دستہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے،

(۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) انظر دان کی تنظیم مقرر کیں۔

سے اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابن ہلال العسکری تاریخ طبری میں کیجا مذکور ہیں۔ باقی جیسے جیسے مرقوم ہے کیجا ہیں۔

- (۷) دفتر مال قائم کیا۔
- (۸) پیائیش جاری کی،
- (۹) مردم شماری کرائی،
- (۱۰) نہرین کھدوائیں،
- (۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ حیرہ۔ فسطاط۔ محصل،
- (۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
- (۱۳) عشور یعنی وہ کی مقرر کی (اسکی تفصیل صیغہ حاصل میں گزر چکی ہے)
- (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے۔
- (۱۵) حزنی تاجرون کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
- (۱۶) جہیلخانہ قائم کیا۔
- (۱۷) دودھ کا استعمال کیا۔
- (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
- (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- (۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
- (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اسیل اور مخنس کی تیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی،
- (۲۲) پرچہ نویسی مقرر کیے۔
- (۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے،

(۲۲) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔

(۲۵) مختلف شہروں میں ہمان خانے تعمیر کرائے،

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گوکافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔

(۲۸) مکاتب قائم کیے۔

(۲۹) معلون اور مدزبون کے شاہرے مقرر کیے۔

(۳۰) حضرت ابو بکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پڑا دی اور اپنے ہتھام سے اس کام کو پورا کیا۔

(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیمین النور اضافہ کیا چنانچہ طوائف میں اس کی تفضیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

(۳۵) تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاقِ بائن قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لیے اسی کوڑے مقرر کیے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو نخب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں عطا کا طریقہ قائم کیا انکی اجازت سے تیمم داری وغلط کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا

(۴۲) امان اور مودون کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کئے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں توں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت اسلام میں تعدد نکاح کیے، پہلا نکاح عثمان بن مظعونؓ کی بہن

ذینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ رضابلقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لایں والوں میں انکا

چودھواں نمبر تھا۔ اسی میں وفات پائی اور جناب رسول اللہؐ کو ان کی وفات کا استہرجہ

ہوا کہ آپؐ انکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور بے اختیار رو دتے جاتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی

قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ ذینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں حضرت عبداللہؓ

حضرت حفصہؓ انہی کے بطن سے ہیں،

دوسری بیوی قرینہ بنت ابی یثہ الخزومی تھیں جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی

بہن تھیں چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں اور شرک عورت سے نکاح جائز نہیں اس لئے صلہ

کے بعد اسی میں ان کو طلاق دیدی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جبرول الخزاعی تھیں انکو ام کلثوم بھی کہتے ہیں یہ بھی اسلام نہیں لائیں

اور اسوجہ سے سٹہ میں ان کو بھی طلاق دیدی۔ عبداللہ انہی کی بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں۔ مدینہ منورہ میں اگر انصار میں قرابت پیدا کی یعنی سٹہ میں عاصم بن ثابت بن ابی الاسود جو ایک محسن زر انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک ہے تھے، ان کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا جب اسلام لایا تو آنحضرتؐ نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

آخر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا چنانچہ جناب امیرؑ سے حضرت ام کلثومؑ کے لیے درخواست کی جناب مدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغیر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ مناظرات کی اور کہا کہ اس سے بھگو حصول شرف مقصود ہے، تو جناب امیرؑ نے منظور فرمایا اور سٹہ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔

۱۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام مستند مورخین نے تفصیل لکھا ہے، علامہ طبریؒ نے تاریخ کبریٰ میں ابن عباسؓ نے کتاب النقاۃ میں ابن قتیبہؒ نے معارف میں ابن اثیرؒ نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہراؑ حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں نے خون صاف تفریق کی ہے علامہ طبریؒ ابن عباسؓ ابن قتیبہؒ کی تصریح خود یہی نظر سے گزری ہیں اور ان سے بڑھ کر تاریخ و اوقات کیلئے اور کیا سند ہو سکتی ہے وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات بن حبانؒ نے ذکر خلافت عمرؓ واقعہ سٹہ میں ہے، ثم تزوج عمرؓ ام کلثوم بنت علیؑ ابی طالبؑ علیؑ مولا فاطمہؑ و دخل بها فی شہیذی القعداء ساربت بن قتیبہؒ نے ذکر اولاد عمرؓ میں ہے و فاطمہ و زید و اھما ام کلثوم بنت علی بن ابیطالبؑ من فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لای الاثر میں حبانؒ حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے اسطیع طبریؒ نے بھی جامع تفریق کی ہے جبکہ ہم تفویض کے خوف سے ظم نما کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ جرتوں کو چادر تنیم کرکے ایک بیچ رہی۔ اسکی نسبت انکو تردید تھا کہ لکھو دیا گئے اس شخص نے ان سے فاطمہؑ کو کہا یا امیر المؤمنین اعطی هذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندک یوجدون ام کلثوم صحیح بخاری باب الجملہ بطور میرٹھ صفحہ ۲۰۳ میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں یعنی ام حکیم بنت الحارث بن شہام الخزومی، فلیتہ ثنیہ،
عاتکہ بنت زید بن عمرو بن قنیل۔ عاتکہ، حضرت عمرؓ کی چھیری بہن تھیں انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکرؓ
کے فرزند عبداللہؓ سے ہوا تھا، اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ انکو بہت چاہتے
تھے عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے انکا نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے
فَالَيْتَ لِمَتَفَكِّ حَنِينِي سَحْنِيَّةَ
عَلَيْكَ وَلَا يَنْفَكُ جِلْدِي أَغْبَرَا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ
تیرے اوپر غمگین رہے گی، اور بدن خاک کا لودہ رہے گا،

حضرت عمرؓ نے ۱۲ھ میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی جنہیں سے حضرت حفصہؓ اس لیے زیادہ ممتاز ہیں
کہ وہاں ذرا بچ سطرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو منافقین
صحابہ میں سے تھے خنیس جب غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو وہ ۳۵ھ میں جنابِ رسول اللہؐ کے
عقد میں آئیں ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے اُنکو حدیثیں
روایت کی ہیں ۳۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکر کے یہ نام ہیں عبداللہ، عبید اللہ، حاتم، ابوشحہ عبدالرحمن۔ زید، حمزہ نہیں
ہیں سابق الذکر زیادہ نامور ہیں حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے کُن نامے جاتے ہیں
بخاری و مسلم میں اُن کے سائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں وہ حضرت عمرؓ کیساتھ کم
میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ لکھا
میں اور ابن خلکان نے وفيات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس کے لئے

اولاد ذکر

عبداللہ بن عمر

علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت
 بیباک تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں غلبہ پڑے اور انہیں اسنی حالت میں لے گئے
 ٹھڑے ہو کر کہا کہ یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دو متولی کو قتل کیا

اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو تعین کیا جس نے اُن کو موم آلا سے
 زخمی کیا اور اُسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ
 اور امیر معاویہؓ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دیدیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہؓ کے
 کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں، آپ آمادہ ہو جیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت
 کریں۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں
 چاہتا۔ حضرت عبداللہؓ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں
 محبوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مارتھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا،
 سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے یہ نام ہیں: خازن بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار،
 عبید اللہ بن عبد اللہ، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے
 سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر ذکر کہتے ہیں یعنی اول وہ حدیث
 جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبداللہ بن عمر، یونس، دوسری وہ حدیث
 جسکے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے
 سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں عبداللہ ان کے بیٹے اور سالم

اور نافع غلام تھے حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عیید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور
تھے۔ بیٹے حاتم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے، ستم میں چاہتے تھے
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کا مرثیہ لکھا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

خلیت المنا یا کون خلقن حاصماً . فعتنا جميعاً اودھین بنامعاً

کاش موت حاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب تھرتے یا لے جاتا تو سب کو لے جاتی

حاتم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور خوب شکر کرتے تھے۔ چنانچہ اہل ادب کا

قول ہے کہ دہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے۔

لیکن حاتم اس سے مستثنیٰ ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ انہی کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہؒ نے

کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں پڑوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم

اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لیکن من اللہ المستنکر اَنْ یَّجِیعَ الْعَالَمُ فِیْ وَاحِدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور حقد ر بڑے بڑے نامور گذرے ہیں، اُن کی مفصل سوانح و عمریان پہلے سے موجود ہیں، یہ دونوں چیزیں اب ہمارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہمسایہ گذر رہا ہے یا نہیں؟

قانونِ فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائلِ انسانی کی مختلف انواع ہیں، اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے، ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ گندرب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کنوستان نہ تھا، بڑے بڑے کمالات ایک طرف، چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں شکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گذرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحبِ تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن عالمِ فاضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا

کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تینور بھی تھے اور فیثرون بھی، امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی،

سب سے پہلے حکمرانی اور کثرتستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جہت در حکمران گذرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہ بن کوئی نہ کوئی مشہور بدہر یا سپہ سالار خفی تھا یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ بدہر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا۔ ابر کے پردے میں الفضل اور ٹوڈر مل کام کرتے تھے۔ عیسائیت کی عظمت و شان برا کہ کے دم سے تھی، لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا خالہ کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر نے اُن کو معزول کر دیا تو کسی کو اس تاں نہوا کہ کل میں سے کون سا پُرزہ نکل گیا ہے؟ سعد و قاصد تاریخ ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا دہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جون بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے اُن میں سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہان سے چاہا نکال لیا اور جہان چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر لیے۔

دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جسکو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نو شیروان کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے تمام دروغات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہ ان مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات یا خود کافی ہوئے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھے، خود حضرت عمرؓ نے ہم برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا، ان حالات کے ساتھ ایک نئے ملک قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و ضلع، انتظام عساکر، صیغہ عدالت، قوتدارسی اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس مسئلہ ترقی دینی ادیان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھائی دے سکتا ہو جسکی معاشرت یہ ہو کہ قیص میں دس دس سو پندگے ہوں، کاندھے پر شک، کھکر غریب عورتوں کے ہان پانی بھرتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا بھرتا ہو۔ یہاں جاتا ہو جسٹریو

و تنہا چلا جاتا ہوا، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہوا، درود پارتی ہے
 و چاند شمس چشم و خدم کے نام سے آشنا ہوا، اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم کے
 نام سے لرزتے ہوں اور جیطرف رخ کرتا ہوں زمین ٹل جاتی ہو سکندر و تیموتیس میں ہزار
 فوج رکاب میں لیکر نکلتے تھے جب اُن کا رعب تلم ہوتا تھا عمر فاروق کے سفر شام
 میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا
 کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علیٰ حیثیت پر نظر ڈالو صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا
 تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عباسؓ زید بن
 ثابتؓ ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ ان کے مسائل اور اجتہادات کا
 حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو اور ان مجتہد مقلد کا فرق نظر آئے گا۔
 زمانہ نابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اللہ فن
 پیدا ہوئے مثلاً امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ بخاریؒ غزالیؒ رازیؒ لیکن انصاف سے دیکھو
 حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اُس پر کچھ اضافہ ہو سکا، مسئلہ اقصاوت میں
 تعظیم شعارِ اہل بیتؑ، احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار
 خبر احادیث کی قابلیت احتجاج، احکام خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شریع اسلام سے آج تک کہ آ رہے
 ہیں اور اللہ فن نے اُن کے متعلق ذہانت اور طبعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے
 لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جسطرح حل کیا تھا تحقیق

کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام المہ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص اُنکا ہمایہ بل سکتا ہے؟ نہہ و قناعت۔ تواضع و انکسار، خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا، شکر و توکل۔ یہ اوصاف اُن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان ابراہیم ادہم، ابو بکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے؟ شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمرؓ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اُسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سینہ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ در ہاے مختلف دار و در ہر درے صاحب کما لے نشستہ، در یک در مثلًا سکندر و ذوالقرنین با نئمہ سلیقہ ملک گیر و جہان ستانی و جمع جہوش و برہم زدن اعداء و در درویش و نو شیر و آن ہر رفیق ولین و رعیت پروری و

داد گسری (اگرچہ ذکر نوشیروان در بحث فضائل حضرت
 فاروقؓ سوادب ست) و در دیگر امام ابوحنیفہؒ
 یا امام مالکے بآن ہمہ قیام عیلم فتویٰ و احکام و در
 دیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ
 بہاء الدین و در دیگر محدثے بروزن ابوہریرہؓ
 و ابن عمرؓ و در دیگر حکمے مانند مولانا جلال
 رومی یا شیخ فرید الدین عطار و مردمان گرداگرد این
 پیادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب
 درخواست می نماید و کامیاب می گردد

۵ جولائی ۱۹۰۵

شبلی نعمانی
 قلم کشید

Handwritten text, possibly a signature or name, in cursive script.



